صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ . البقرة ۱۳۸

ھذا صراط المستقیم علیٰ منہاج النبوۃ

جبرائیل علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا!

جو قرآن کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ گیا وہ نجات پا جائے گا اور

جس نے اسے ترک کیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

تالیف۔ ابو مُصعّب الخراسانی الشامی

ادارہ نشرو اشاعت الانفال میڈیا سنٹر

الخلافہ الاسلامیہ علیٰ منہاج النبوۃ

حلال طیب اور فتنہ دجال

ضروری اعلان۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

کتاب کا دنیاوی نفع کے حصول کے لیے اور کسی بھی منفی مقصد کے حصول کی خاطر کسی قسم کے استعمال کی اجازت نہیں خلاف ورزی کرنے والے سے ہم مکمل برأت کا اظہار کرتے ہیں اور معاملہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ البتہ خالص اللہ کی رضا کے حصول اور دنیا میں دین کے قیام کی خاطر کتاب کے ہر قسم کے مثبت مقاصد کی خاطر استعمال کی مکمل اجازت ہے۔ نیز اس کتاب سمیت ابومصعب الخراسانی الشامی کی تمام کتب کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کی بھی مکمل اجازت ہے۔

فہرست

فہرست

مضامین	صفحہ

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ کتاب۔

میری سب سے پہلی گزارش ان تمام علم کے طالبوں کے نام جن کی اس کتاب تک رسائی ہو جائے۔وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور ساتھ ہی اس بات کا خیال ضرور رکھیں کہ جب بھی آپ کتاب پڑھیں تو اس وقت اپنے دماغ کو ہر لحاظ سے خالی کر کے اور اپنی پوری توجہ اسی پر مرکوز کریں۔جب تک دل اجازت دے تب تک پڑھیں اس کے بعد تب ہی پڑھیں جب بھی پوری توجہ دے سکتے ہوں اور اسی طرح کم از کم ایک بار کتاب ضرور پڑھیں۔میری رائے کیمطابق ضروری نہیں کہ کتاب میں بیان کردہ سارا علم ایک ہی بار پڑھنے سے آپ کی سمجھ میں آجائے اس لیے کوشش کر کہ ایک سے زیادہ بار جتنی بار ممکن ہو کتاب کو پڑھیں۔

الحمدللہ کتاب کا مکمل ماخذ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔کوشش کریں اس پرفتن دور میں اللہ کی طرف اس دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

میں اپنی یہ کتاب سب سے پہلے اللہ کے آخری نبی ورسول محمد ﷺ کے نام اس کے بعد اپنی بہن ام عثمان روسی شہید اور اپنی بہنوں جامعہ حفصہ شہید کی تمام طالبات کے نام کرتا ہوں اس کے علاوہ ان تمام بہنوں کے نام جو کفار و مشرکین کی قید میں ہیں بلخصوص اپنی بہن عافیہ صدیقی کے نام۔اس کے علاوہ ان تمام اللہ کے غلاموں کے نام جنہوں نے روز اول تا آخر معرکہ حق و باطل میں اللہ کے دین کے قیام کی خاطر یا تو جان قربان کردی اور جو کریں گے یا پھر کسی بھی صورت حق کی شہادت دینے پر تکالیف کا سامنا کیا اور جو کریں گے خوہ وہ اسیری کی صورت میں ہو یا مال و اولاد کی قربانی کی صورت میں۔

الحمدللہ میں اپنے رب اللہ سبحان وتعالیٰ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس قابل نہیں تھا کہ یہ کتاب لکھ سکتا مگر یہ صرف اور صرف میرے رب اللہ سبحان وتعالیٰ کے فضل ورحمہ کا ہی نتیجہ ہے۔جس کی وجہ سے یہ کتاب لکھ سکا۔کتاب لکھنے کا مقصد خالص اللہ سبحان وتعالیٰ کی رحمہ کا حصول تھا۔اسی کے پیش نظر جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے مجھے ہدایت دی اور میرے صدر کو اپنی کتاب پر کھول دیا اور نہ صرف میرے صدر کو اپنی کتاب پر کھولا بلکہ اپنی کتاب کو بھی میرے صدر پر کھول دیا۔تو میرے لیے یہ زندگی ایسے ہی ہوگئی جیسے کہ جلتا ہوا انگارہ ہاتھ میں جکڑا ہو۔جب دین کی حالت کو دیکھتا ہوں تو ایسی تکلیف محسوس کرتا ہوں جو شائد ہی اللہ نے کسی اور شئے میں رکھی ہو۔اور اسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے اللہ کے عائد کردہ فرض کو پورا کرنے کی غرض سے صرف اور صرف اللہ کی نصرت، فضل اور رحمہ سے دین اسلام پر پڑی دھول مٹی کو ہٹا کر خالص دین کو واضع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس کتاب کے موضوع کی حثیت بلکل ایسی ہی ہے جیسے عمارت کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے زمین درکار ہوتی ہے کہ زمین کے بغیر عمارت

کی بنیاد رکھنے کا بھی تصور ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر ہم نے دین کی عمارت تعمیر کرنے کے لیے درکار زمین حاصل نہ کی تو پھر دین اسلام کی عمارت تعمیر نہیں کر پائیں گے۔اور دین اسلام کی عمارت کی تعمیر کے لیے درکار زمین حلال طیب رزق ہے۔

آپ سب اہل ایمان سے خصوصی طور پر دعا کا طلب گار ہوں۔اللہ سبحان وتعالیٰ کی بارگاہ میں میرے حق میں ضرور دعا کیجئے گا۔کہ میری موت تک مجھے حق پر قائم رکھے اور جس مقصد کے لیے مجھے خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کی توفیق دے۔

میری کسی بھی کتاب کو اللہ کے دین کے قیام کی خاطر دین اسلام کی نصرت کی خاطر کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنے، چھپوانے کی مکمل اجازت ہے۔کتاب میں موضوع کے علاوہ ان اشیاء کو ہٹانے کی بھی اجازت ہے جن کا موضوع سے تعلق نہیں مثلاً اشاعت کرنے والے ادارے کا نام۔الخلافہ الاسلامیہ وغیرہ، جن کی وجہ سے کتاب کو چھپوانے یا پھیلانے میں کوئی مشکل پیش آئے لیکن کتاب کے موضوع کے متعلق مواد یعنی تمہید سے آخر تک کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں۔اس کے علاوہ کتاب میں موجود مواد کو سیاق وسباق سے ہٹا کر یا کسی فرقہ پرستی، گروہ بندی، فتنے یا انتشار وغیرہ کے لیے استعمال کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔بصورت دیگر میں معاملے کو اللہ کی طرف لوٹاتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمته الله وبرکاته. الله کے دین کا طالب علم ابو مصعب الخراسانی الشامی.

ابتداء۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۔ الاحزاب ۷۰

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو صرف اللہ سے بچو اور قول تمہارا ایسا قول ہو کہ سد کی طرح سیدھا، مضبوط اور فرق کر دینے والا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ البقرۃ ۱۷۴

اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو چھپاتے ہیں اُسے جو اتارا اللہ نے کتاب سے اور بیچتے ہیں جس سے وہ بہت تھوڑی قیمت ہے۔ یہی لوگ نہیں کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں مگر آگ اور نہیں کلام کرے گا اللہ یوم قیامت اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا اور ان کے لیے ہے عذاب الیم۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو نازل کیا کتاب سے اس کو کیوں چھپایا جاتا ہے اور اس علم کا سودا کیسے کیا جاتا ہے کیا قیمت وصول کی جاتی ہے۔ اس کی بہت لمبی تفاصیل ہیں کچھ لوگ تو براہ راست طاغوت سے مال و آسائشوں کی طلب کی خاطر ایسا کرتے ہیں تو کچھ دنیاوی مال ومتاع کی خاطر۔ کچھ مصیبتوں، تکلیفوں سے بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں کہ کہیں حق بیان کرنے سے اہل وعیال کو اذیت نہ دی جائے۔ ان کو قتل نہ کر دیا جائے، قید نہ کر دیا جائے لہذا وہ چھپاتے ہیں۔ کسی کا مقصود عزت وشہرت ہوتا ہے انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حق کا معاملہ یہ ہے کہ ہمیشہ اہل حق کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا اس لیے شہرت کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں اور ایسی باتیں عام کرتے ہیں ایسے پرچار کرتے ہیں کہ شہرت پاتے ہیں لوگوں کی آنکھوں کا تارہ بن جاتے ہیں۔ کچھ اس لیے چھپاتے ہیں کہ وہ جس گروہ، جس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اس سے کٹ جائیں گے اس فرقے کی بنیاد ہی ہل جائے گی لہذا فرقہ زیادہ عزیز ہے اس لیے مصلحت کے لبادے میں حق کو چھپائے رکھو اور خود کو جھوٹی تسلیاں بھی دیتے رہتے ہیں۔ کچھ اس لیے چھپاتے ہیں کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا مناسب وقت پر حق بیان کیا جائے گا حالانکہ اگر اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ پر حق واضع کیا تو آپ پر فرض ہو گیا کہ آپ اس کو بیان کریں کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں لکھا ہی ایسے ہے اس کا ہر کام علم وحکمہ سے اور کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے اگر آپ کو سمجھ عطا کی تو اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ اس کا حق ادا کریں لیکن جب آپ نے اپنی قیاس آرائی کو ترجیح دی تو یہی آپ نے چھپانے کی خاطر قیمت وصول کی۔ اسی طرح بے شمار وجوہات ہو سکتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی وجہ ایسی نہیں جس وجہ سے میں حق بیان نہیں کرتا تو ضروری نہیں کہ میں اللہ کی آیات کو چھپا نہیں رہا، میں اللہ کی آیات کا سودا

نہیں کرر ہا، میں کوئی قیمت وصول نہیں کرر ہا بلکہ ضرور میں کوئی نہ کوئی قیمت وصول کرر ہاہوں گا اور وہ قیمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں، دماغ اور وقت کی بچت کی صورت میں وہ قیمت حاصل کی ہو۔ اگر میں ایسا کروں گا تو ضرور اللہ سبحان وتعالیٰ ایسا ہی میرے ساتھ کریں گے جس کا انہوں نے ذکر کردیا۔ یہ قیمت میں آگ کی صورت میں اپنے پیٹ میں بھرر ہاہوں گا۔ اس دنیا میں مجھے اس کا ادراک بے شک نہ ہولیکن آخرت میں مجھے اس کا ادراک ہوگا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ میرا تزکیہ نہ کریں اور میں جہنم میں عذاب الیم کا مستحق ٹھہروں۔ اگر ایسے ہوا تو بلاشبہ یہ میرا اپنا فیصلہ میری اپنی ہی کمائی ہوگی۔ لہذا میں قطعاً ایسا نہیں چاہتا۔ میں اللہ کی رحمت کا طلبگار رہوں اس لیے میں اس فرض کو ادا کرر ہاہوں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی امانت جو آپ لوگوں کے لیے ہے اللہ کو گواہ بنا کر آپ کے حوالے کرر ہاہوں آپ تک پہنچار ہاہوں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ج فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ

.البقرة ۱۷۵

یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے سودا کیا گمراہی کا ہدایت کے بدلے اور عذاب کا مغفرت کے بدلے، پس ان پر ہے صبر کرنا آگ پر،

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ

بَعِیْدٍ .البقرة ۱۷۶

یہ اس لیے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے نازل کیا کتاب کو حق کیساتھ اور اس میں کچھ شک نہیں ایسے جنہوں نے ضد میں اختلاف کیا کتاب میں، دور جا پڑے۔

جو بھی ایسا کریں گے تو انہوں نے خریدی گمراہی ہدایت کے بدلے اور سزا، مغفرت کے بدلے۔ یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے جب ان پر حق واضع کیا تو ان پر فرض تھا کہ وہ اس حق کی روشنی میں اپنے لیے ہدایت کا رستہ اختیار کرتے اور آخرت میں اللہ سبحان وتعالیٰ ان کو غفر کردیتے یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ ان کا تزکیہ کر کے انہیں جنت میں داخل کردیتے۔ جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو ان کو سزا کے طور پر آگ پر ہی صبر کرنا ہوگا۔ تصور کرنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کیسے انسان ایسا سودا کرلیتا ہے۔

ہدایت کیا تھی؟ جو ان کو اختیار کرنا تھی اس میں یہ بھی شامل تھا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا یعنی اسے نازل کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اس مقصد کو جان کر پورا کیا جائے اور دوسروں کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ قرآن کے پانچ بنیادی حقوق جو ہر انسان پر قرآن کے ہیں۔ جب ان کے صدور پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی کتاب کو کھول دیا تو ان پر فرض تھا کہ خود بھی عمل کرتے اور دوسروں تک بھی یہ پیغام پہنچاتے۔ جنہوں نے ایسا نہ کیا ان کا انجام واضع ہوگیا اور جو ایسا ہی کریں یعنی ہدایت اختیار کریں گے اور کتاب کا حق ادا کریں گے

تو اللہ سبحان وتعالیٰ ان کو غفر کر کے ان کا تزکیہ کریں گے اور ان کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔ اور پھر جن تک یہ حق پہنچ گیا اور اس کے باوجود انہوں نے اس میں اختلاف کیا اپنی ضد کی وجہ سے کہ میرے فرقے میں یہ نہیں۔ میرے آباؤ اجداد نے یہ نہیں کیا۔ ہمارے علماء نے ایسا نہیں سکھایا ایسی کسی بھی وجہ سے اپنی ضد پر رہے تو ظاہر ہے وہ ہدایت کیسے پائیں گے جب خود ہی اپنی ضد کی وجہ سے گمراہی کو ہدایت کا درجہ دے کر ہدایت سے کوسوں دور رہیں گے پھر ایک وقت آئے گا جب سفر ختم ہو جائے گا اور ایسوں کا انجام بھی حق کو چھپانے والوں کے ساتھ ہوگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اس فرض کو ادا کرنے میں میری نصرت و استعانت کرے اور آپ بھی اس امانت کا حق ادا کریں اور اس میں کسی بھی طرح خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

اور تحقیق کہ ہم نے ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اس قرآن میں سب کچھ، پس انکار کیا انسانوں کی اکثریت نے مگر ناشکری

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا.

الکھف ۵۴

اور تحقیق کہ ہم نے ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا اس قرآن میں سب کچھ، اور تھا انسان اکثریت معاملات میں جھگڑا کیا۔

دونوں آیات میں کہ پہلے حصے میں اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی ایسی شئے نہیں، کوئی بھی معاملہ، مسئلہ وغیرہ جس کو اللہ نے اس قرآن میں ہر لحاظ سے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔ یعنی سب کچھ بیان کر دیا اور وہ بھی پھیر پھیر کر۔ مثال کے طور پر جیسے اگر آپ بازار سے کوئی شئے خریدتے ہیں تو اسے ہر طرف سے ٹٹولتے ہیں کہ کہیں اس میں کوئی عیب، نقص یا خرابی وغیرہ تو نہیں۔ بلکہ اسی طرح اللہ نے قرآن میں سب کچھ جو بھی انسان کے ساتھ پیش آ سکتا ہے جو بھی انسان کے لیے سوال پیدا ہو سکتا ہے حتیٰ کہ کچھ بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے اس طرح ہر طرف سے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔ لیکن انسانوں کی اکثریت اس کا انکار کرتی ہے اور انکار کیوں کرتی ہے اس کا جواب بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے دے دیا۔

مگر ناشکری۔ کتاب میں آگے چل کر شکر کے معنی بلکل واضع ہو جائیں گے۔ انسان کا شکر نہ کرنا اس کی وجہ ہے۔ یعنی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسے جتنی بھی نعمتیں دیں جس مقصد کے لیے دیں اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا

چاہتا ہے اس لیے وہ انکار کرتا ہے کہ قرآن میں فلاں معاملے کا بھی ذکر نہیں اور فلاں کا بھی۔ اور اسی طرح انسان نے معاملات کی اکثریت کے حوالے اسے قرآن میں جھگڑا کیا۔ ایک طرف قرآن کچھ حکم دے رہا ہے لیکن انسان اس کو تسلیم کرنے کے قریب بھی نہیں جاتا کیونکہ اس کی خواہشات کا قتل ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا نہیں۔ بہر حال جب مکمل کتاب پڑھیں گے تو ان دونوں آیات کی بلکل واضح سمجھ آ جائے گی کہ کیسے انسان اس کا انکار کرتا ہے اور قرآن میں جھگڑا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے پس کہا اے محمد ﷺ اس میں کچھ شک نہیں آپ کے بعد آپ کی امت اختلافات کا شکار ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا اے جبرائیل علیہ السلام ان کے لیے نکلنے کا طریقہ کیا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اس کیساتھ اللہ تمام جابروں کو قصہ بنا دے گا (یعنی جیسے پہلی قوموں کو عذابوں سے ہلاک کیا) جو اس کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ گیا وہ نجات پا جائے گا اور جس نے اسے ترک کیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ جبرائیل علیہ السلام نے ایسا تین بار کہا۔
یہ فیصلہ کن ہے، یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ زبانوں پر پرانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے عجائب ختم ہوں گے۔ اس میں ہیں خبریں ہیں اس کی جو تم سے پہلے ہوا تھا۔ اور وضاحت ہے اس کی جو تمہارے درمیان ہے (یعنی جو کچھ موجودہ انسانوں کو پیش آ رہا ہے یا پیش آئے گا ان تمام معاملات کی وضاحت) اور خبریں ہیں اس کی جو تم سے بعد ہوگا۔ مسند احمد

باب اول۔ عمارتِ دین کی بنیاد

جیسے دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں اور وہی مکمل دین اسلام ہے۔اگر ہم تصور کریں کہ اسلام ایک عمارت ہے تو یہ پانچ بنیادی ارکان پانچ ستونوں کی اہمیت رکھتے ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔بلکل اسی طرح خوراک دین اسلام کی بنیاد ہے۔ایسی بنیاد جس پر دین کے یہ پانچ ستون کھڑے ہیں اگر یہ بنیاد خالص ہوگی تو ستون قائم ہوں گے اور قائم رہیں گے جس سے عمارت قائم رہے گی لیکن اگر یہ بنیاد ہٹادی، کھوکھلی کردی یا اسے ناقص بنادیا تو سب سے پہلے ایک ایک کرکے پانچوں ستون گریں گے اور ساتھ ہی پوری عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔

اسے ایک دوسرے پہلو سے بھی جان لیتے ہیں۔جیسے آپ کو عمارت تعمیر کرنے کے لیے متعلقہ تمام اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے جن سے عمارت تعمیر ہوتی ہے اور پھر جس معیار کی وہ اشیاء ہوں گی عمارت بھی اسی معیار کی تعمیر ہوگی۔اگر تو اشیاء اعلیٰ معیار کی ہوں گی تو عمارت بھی اعلیٰ معیار کی مضبوط اور دیرپا ہوگی لیکن اگر اشیاء کا معیار ہلکا، ناقص ہوگا تو ان سے وجود میں آنے والی عمارت کا معیار بھی ناقص ہوگا۔

اب ایک تیسرے پہلو سے بھی جان لیتے ہیں۔مثال کے طور پر آپ کو لوہے سے کوئی اوزار بنانا مقصود ہو تو اس کے لیے سب سے پہلے لوہا درکار ہوگا۔اگر لوہا ہی موجود نہیں تو وہ اوزار بنانا ناممکن ہوگا۔اور اگر لوہے کی جگہ پلاسٹک، سلور، تانبہ یا لکڑی وغیرہ ہو تو بھی کام نہیں چلے گا۔ اس کے لیے لوہے کی ہی ضرورت ہوگی۔تو اس سے لوہے کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

ان تینوں پہلوؤں میں جس جس کی جو جو اہمیت بیان کی گئی بلکل وہی اہمیت ہر لحاظ سے اس دنیا میں انسان کی زندگی میں خوراک کی ہے۔جس کو ہم قرآن سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ط وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمْ لَکٰفِرُوْنَ ۔ الروم ۸

کیوں نہیں غور وفکر کرتے تم اپنی ذاتوں میں، نہیں خلق کیا اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو بھی ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ اور مقرر مدت تک، اور اس میں کچھ شک نہیں اکثریت لوگوں کی ان کے رب کے سامنے کیے جانے سے کفر کرنے والی ہے۔

اس آیت کو بنیاد بناتے ہوئے ہم سب سے پہلے اپنی ذات میں غور وفکر کرتے ہیں تاکہ ہمیں حق کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہم ایک مثال سے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

کاریں بنانے والا ادارہ جب کاریں بناتا ہے تو ہر کار ایک نقشے یعنی ایک قانون ،تھیوری کے مطابق بنائی جاتی ہے جس میں ہر ہر پرزے کا علم وحکمت سے اپنا اپنا سائز ،شکل وصورت اور معیار ہوتا ہے۔ پھر تمام پرزوں کو اس نقشے کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر جوڑ کر گاڑی تیار کی جاتی ہے۔ پھر جس قانون ، نقشے یعنی تھیوری کیمطابق کار بنائی گئی اس کے مطابق اسے استعمال کرنے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے ہدایات تحریر کی جاتی ہیں اور یہ سب وہی ادارہ کرتا ہے جس نے گاڑی تیار کی ہوتی ہے۔

اب جب کوئی گاڑی کو خریدے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ گاڑی کے استعمال اور اس کی دیکھ بھال کے لیے دی گئی ہدایات کے مطابق عمل کرے۔ مثلاً اگر گاڑی پیٹرول سے چلنے والی ہے تو اس میں پیٹرول ہی استعمال کیا جائے گا اور پیٹرول بھی جس معیار کا ہدایات میں بتایا گیا بلکل اسی معیار کا ہوگا ورنہ اس کے برعکس اگر پیٹرول کی بجائے ڈیزل استعمال کیا جائے گا تو گاڑی کا انجن بہت جلد خراب ہو جائے گا اور گاڑی بے کار ہو جائے گی اور اگر استعمال پیٹرول ہی کیا جائے لیکن ناقص معیار کا ہو تو جہاں گاڑی کی عمر دس سال ہوتی وہیں اس کی عمر کم ہو کر ہو سکتا ہے ٦، ٧ سال یا اس سے بھی کم ہو جائے۔

پھر اسی طرح گاڑی کے اندرونی حصے کی دیکھ بھال کے لیے جو بھی ہدایات دی گئیں ان پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ اب اس کے علاوہ گاڑی کا ایک اور حصہ ہے اور وہ ہے بیرونی حصہ ،اس کی دیکھ بھال کے لیے بھی جو ہدایات دی گئیں اس کا بھی بھر پور خیال رکھنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اگر اس کی صفائی کے لیے صابن وسرف کا کوئی معیار ہدایات میں وضع کیا گیا ہے تو اس میں بھی کمی کوتاہی نہیں کی جائے گی ورنہ ممکن ہے گاڑی کی بیرونی چمک دھمک ماند پڑ جائے یا زنگ وغیرہ ہی لگ جائے۔

پھر گاڑی کو چلانا کیسے ہے اس کی بھی جو ہدایات دی گئیں ان پر عمل کرنا لازم ہے۔ ورنہ نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان ہدایات پر عمل کرنا اس لیے لازم ہے کیونکہ وہ ہدایات گاڑی کے خالق کی طرف سے ہیں۔ جس نے گاڑی خلق کی اسے ہی علم ہے کہ اس نے کس قسم اور کس کس معیار کا مواد استعمال کیا اور کتنی پیچیدگی سے اسے تخلیق کیا پھر کیسے اس کی دیکھ بھال کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے کیا نقصان دہ ہے اور کیا فائدہ مند ہے اس کا علم صرف گاڑی کے خالق کو ہی ہوگا۔

اب اگر تھوڑا سا غور کریں تو گاڑی بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے ایک اس کا ظاہری حصہ اور دوسرا اس کا پوشیدہ حصہ۔ ہدایات کی کتاب میں ظاہری حصے میں سے کچھ کے بارے میں آگاہی دے دی کہ ان کے کیا کیا مقاصد ہیں ،یعنی یہ ہنڈل ہے اس کا کیا مقصد اور استعمال کیا ہے ، یہ گیئر ہے اس کا کیا مقصد اور استعمال کیا ہے اسی طرح کچھ اور اعضاء اور پرزہ جات ہیں گاڑی کے جن کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دی گئیں اور ان کی دیکھ بھال کی ہدایات بھی۔ لیکن اس ظاہری حصے میں بھی بہت سے اعضاء اور پرزہ جات ایسے

ہیں جن کے بارے میں کسی قسم کی کوئی معلومات نہیں دی گئیں۔لیکن ان سب کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اوراس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں ان کی جگہ پر لگا دیا گیا اس لیے ان سے کسی قسم کی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی۔بلکل یہی معاملہ گاڑی کے اندونی حصے کا ہے۔اندرونی حصے میں پرزوں کی اکثریت ایسی ہے جن کے بارے میں کوئی بھی معلومات نہیں دی گئیں کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔جس جس پرزے کا جو جو مقصد ہے اسے اس کے مطابق اس کے مقام پر جوڑ دیا گیا۔گاڑی کے جن حصوں اور پرزوں کے بارے میں واضع معلومات اوران کے استعمال کی ہدایات دے دی گئیں وہ ہمارے لیے محکم حصے ہوں گے اور جن کو ہم سے چھپا دیا گیا اور جن کے بارے میں علم نہیں دیا گیا وہ گاڑی کا غیب اور متشابہات ہیں۔اب اگر ہم گاڑی کو ٹھیک رکھنا چاہتے ہیں کہ گاڑی میں کوئی بھی نقص پیدا نہ ہو اور گاڑی ہر لحاظ سے ٹھیک رہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم گاڑی کے خالق کی ہدایات پر مکمل عمل کریں۔اور گاڑی کے غیب اور متشابہات کے ساتھ کوئی بھی چھیڑ چھاڑ نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑیں۔جب تک ہم ان ہدایات کے پابند رہیں گے اور گاڑی کے غیب اور متشابہات حصوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے یعنی انہیں جس کام پر لگا دیا گیا اسی پر لگا رہنے دیں گے تب تک گاڑی ٹھیک رہے گی اس میں کوئی نقص یا خرابی وغیرہ پیدا نہیں ہوگی لیکن جیسے ہی ہم نے ہدایات کو نظر انداز کیا اور گاڑی کی غیب اور متشابہات سے چھیڑ چھاڑ کی تو گاڑی میں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔
سب سے پہلی خرابی اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ اگر اس خرابی کو دور نہ کیا گیا اور اپنی روش برقرار رکھی یعنی خالق کی ہدایات کو نظر انداز کرتے رہے تو یہ خرابی ایک سے بڑھ کر دو، دو سے چار، چار سے آٹھ میں تقسیم ہوتی ہوئی بالآخر ایک آخری بڑی تباہی اس کا انجام ہوگا۔
بلکل یہی مثال اللہ سبحان وتعالیٰ کی تمام مخلوقات کی ہے، آسمانوں اور زمین کی ہے اور یہی مثال انسانی جسم کی بھی ہے۔اس کو بھی علم وحکمت کے ساتھ خلق کیا گیا۔اس کا ایک ایک پرزہ یعنی عضوء انتہائی کمال مہارت سے خلق کیا گیا پھر ہر عضوء کو انتہائی کمال مہارت سے اپنے اپنے مقام پر رکھ کر جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس کے مقام پر لگا دیا گیا۔گاڑی کی طرح انسان کو بھی اندرونی و بیرونی دیکھ بھال کی اشد ضرورت ہے اگر اس کی اس طرح دیکھ بھال نہ کی گئی جیسے کہ کرنے کا حق ہے تو یہ بھی گاڑی کی طرح خراب اور پھر تباہی سے دو چار ہوگا۔آسمانوں اور زمینوں کی ہر شئے میں محکم اور متشابہات وغیب ہے اسی طرح انسان میں بھی کچھ محکم یعنی جس کے بارے واضع فیصلہ کر دیا گیا اور زیادہ تر متشابہات ہیں متشابہات کا ہی کچھ حصہ غیب میں شمار ہے۔یعنی جن جن اعضاء کو چھپا دیا گیا وہ تو انسانی جسم میں اللہ کا غیب ہیں اور جن کو چھپایا تو نہیں گیا وہ ظاہر ہیں لیکن ان کے بارے میں واضع علم نہ دیا گیا وہ متشابہات کا غیب کے علاوہ حصہ ہیں۔
جیسے گاڑی کے استعمال اوراس کی دیکھ بھال کی ہدایات صرف وہی دے سکتا ہے جس نے گاڑی خلق کی بلکل اسی طرح انسان ٹھیک کس طرح رہے گا اس کے لیے ہدایات بھی اس کے خالق سے ہی ملی جائیں گی۔وہ اس لیے کہ اس نے ہی خلق کیا ہے اس لیے صرف اور صرف وہی جانتا ہے کہ اس کے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔اور اگر اُس کی دی گئی ہدایات پر عمل نہ کیا گیا یا پھر عمل تو کیا گیا لیکن اس میں کوئی تبدیلی کر دی، لاپرواہی کر دی یا سستی برتی تو پھر اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو گاڑی کے خالق کی ہدایات پر عمل نہ کرنے سے گاڑی کا

ہوگا۔

پھر جیسے گاڑی اگر تیار کی گئی تو پہلے اس کی تمام ضروریات کو تیار کیا گیا۔ پیٹرول سمیت وہ تمام ضروریات جو گاڑی کیساتھ مشروط ہیں جن کے بغیر گاڑی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ جیسے اگر آپ نے عمارت تعمیر اور اس کے بعد اس کی دیکھ بھال کرنی ہے تو اس کے لیے جو ضروریات درکار ہوں گی پہلے وہ موجود ہوں گی تو عمارت وجود میں آئے گی اور اس کی دیکھ بھال ہو سکے گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس سے گاڑی چلے گی یعنی ایندھن کا کوئی تصور ہی نہ ہو اور گاڑی بنالی جائے اگر ایسا ہو تو گاڑی، گاڑی نہیں کہلائے گی اور نہ کوئی خریدے گا اس کی اہمیت اتنی ہی ہوگی جتنا اس میں لوہا وغیرہ استعمال ہوا۔

بلکل اسی طرح یہ ممکن ہی نہیں کہ جس ذات نے انسان کو خلق کیا اس نے اس کی تخلیق سے پہلے وہ سب کچھ خلق نہ کر دیا ہو جو اس کی ضروریات ہیں۔ اس ذات نے انسان کی تخلیق سے پہلے ہی اس کی تمام ضروریات کو تخلیق کیا اس کے بعد اس کی تخلیق کی۔ جس کا قرآن میں بہت سے مقامات پر بہت ہی صراحت سے ذکر کر دیا۔

جیسے گاڑی میں اگر ناقص پیٹرول استعمال کیا جائے گا تو وہ گاڑی کے تمام حصوں اور پرزہ جات پر اپنے منفی اثرات مرتب کرے گا یعنی انجن کے ہر پرزے کو متاثر کرے گا پھر اس کی وجہ سے ہر پرزے کی ذمہ داری اور اس کے مقام کے مطابق گاڑی پر نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے۔ مثلاً جیسے اگر گاڑی کے ٹائر ہی اتار لیے جائیں تو گاڑی بیکار ہو جائے گی لیکن اگر اس کی لائیٹیں اتار لی جائے تو گاڑی چلے گی تو سہی لیکن رات کو اس میں سفر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر پرزے کی ذمہ داری الگ ہے اور ہر پرزے کے ٹھیک سے کام نہ کرنے یا اپنی ذمہ داری کے ترک کر دینے سے اس کی ذمہ داری کی نوعیت کے اعتبار سے گاڑی کا نقصان ہوگا اور اگر اس سے پیدا ہونے والی خرابی کو دور نہ کیا گیا تو آہستہ آہستہ پوری گاڑی بیکار ہو جائے گی۔ بلکل اسی طرح انسان کا بھی معاملہ ہے۔ انسان کے جسم کے بیرونی اور اندرونی حصے میں مختلف اعضاء ہیں جب تک وہ ٹھیک رہیں گے تو پورا جسم ٹھیک رہے گا ورنہ اگر کسی ایک نے بھی اپنی ذمہ داری ترک کر دی یا ذمہ داری کو پورا کرنے میں لاپرواہی بھرتی تو اس کی ذمہ داری کی نوعیت کے اعتبار سے نقصان ہوگا۔ مثلاً اگر دل کام کرنا چھوڑ دے تو انسان کی موت واقع ہو جائے گی لیکن اگر ہاتھ مفلوج ہو جائے تو نقصان کی نوعیت مختلف ہوگی۔

پھر ہم دیکھیں کہ پوری گاڑی میں ایک توازن قائم ہے ہر پرزہ اپنی اپنی ذمہ داری ادا کر رہا ہے اگر کوئی ذرا برابر بھی کوتاہی بھرتے گا تو گاڑی کا توازن بگڑ جائے گا۔ اور وہ توازن صرف اور صرف ایک ہی صورت قائم رہ سکتا ہے کہ گاڑی کے خالق کی دی ہوئی ہدایات پر مکمل عمل کرنا ورنہ اگر اس کی ہدایات کے برعکس عمل کیا جائے گا تو گاڑی کا توازن بگڑ جائے گا۔ اب اگر آپ خالق کی بجائے کسی اور سے ہدایات لیتے ہیں تو اگر وہ ہدایات خالق کی ہدایات سے سو فیصد ملتی ہوں تو وہ کوئی بھی ہو وہ خالق کی ہی ہدایات کہلائیں گی۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہوں یا ان میں کوئی بھی تبدیلی ہو تو ان پر عمل نہیں کیا جائے گا ورنہ گاڑی کا توازن بگڑ جائے گا۔

بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالی نے آسمانوں اور زمینوں میں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ان سب میں توازن یعنی المیزان قائم کیا ہوا

ہے۔اسی طرح انسان کے جسم میں بھی ایک توازن قائم کیا ہوا ہے اور وہ توازن صرف اور صرف ایک ہی صورت قائم رہ سکتا ہے اور وہ انسان کے خالق اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کیمطابق اپنے جسم کا استعمال اور اس کی دیکھ بھال ہے۔اس نے اس کے استعمال کے لیے جس کی اجازت دی وہی استعمال کرنا ہوگا اور اس کا معیار بھی ویسا ہی ہوگا جیسا اس نے بتادیا اور جس سے منع کردیا اس کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔ورنہ جسم کا جو بھی عضوء متاثر ہوگا اس کی وجہ اسے اس کی ذمہ داری کی نوعیت کے اعتبار سے جسم نقصان سے دوچار ہوگا اس کی ساتھ ہی جسم کے نظام میں جو توازن قائم تھا وہ بھی برقرار نہیں رہے گا جس سے تمام اعضاء متاثر ہوں گے اور جسم پر بڑی تباہی مسلط ہوگی جسے ہم مختلف بیماریوں کا نام دیتے ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے توازن قائم کیا اور توازن کو قائم رکھنے کے لیے ہدایات کی کتاب بھی دے دی۔جس کا ذکر اللہ سبحان وتعالیٰ نے یوں کیا۔

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ . الرحمٰن ۷

اور وضع کردیا میزان

سورۃ الرحمٰن کی ان آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے جس میزان کی بات کی اصل میں وہ صرف یہی میزان نہیں جو میزان صرف انسان کے جسم میں قائم کیا۔وہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور جو کچھ بھی ان میں ہے ہر ایک میں قائم کیے گئے میزان کا ذکر ہے۔آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے میزان کے ساتھ اس کی مزید وضاحت نہ کر کے یہ واضع کردیا یہ میزان اللہ سبحان وتعالیٰ کی قل کائنات جس میں ساتوں آسمان اور زمینیں بھی ہیں اس کا ذکر کیا۔اب ہم جب اس میزان کو سمجھیں گے تو ہمارے اوپر بہت سے حقائق اور رازوں سے پردہ اٹھے گا۔
جیسے گاڑی کا ہر پرزہ اپنے نقشے کے مطابق اور معیار بھی اسی کے مطابق ہوگا،اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے انجام دے گا تو گاڑی ٹھیک رہے گی یعنی اس کا وہ توازن برقرار رہے۔اس طرح اس کے لیے لازم ہے کہ ہر پرزہ ٹھیک ہونا چاہیے تو جب ہم ایک ایک پرزے میں غور کریں تو ہمیں ہر پرزنے میں وہ توازن نظر آئے گا جیسے ٹائر ہی کو لے لیں وہ مختلف اشیاء سے مل کر بنا ہے پورے علم وحکمہ کی ساتھ۔اب اگر ٹائر کا توازن بگاڑ دیا جائے تو پوری گاڑی کا توازن بھی بگڑ جائے گا۔یعنی اگر ٹائر میں ہوا ہدایات سے زیادہ یا کم بھری جائے تو میزان یعنی گاڑی کے نظام کا توازن بگڑ جائے گا۔
اسی طرح ساتوں آسمانوں میں ہر آسمان گاڑی کے انجن کی مانند ہے۔ہر آسمان میں موجود تمام کی تمام مخلوقات کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہے ان میں یہ توازن یعنی میزان قائم ہے پھر بتدریج ہر آسمان کی ہر ہر کہکشاں میں،ہر کہکشاں کے تمام نظام شمسیوں میں،ہر نظام شمسی کے ستارے اور ہر سیارے،اور جس زمین پر ہمیں بسایا گیا اس میں بھی،پھر اس زمین پر سمندروں میں،خشکی میں اور فضا میں،پھر خشکی کے

اوپرتمام مخلوقات میں اور خشکی کے اندرزمین کے اندر بھی یہ میزان قائم کردیا، پھرخشکی، وتری کی ہر ہرمخلوق میں یہ توازن قائم کردیا، پھرہر مخلوق کے اندر جومختلف مخلوقات ہیں ان میں بھی پھروہ جس سے وجود میں آئیں یعنی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اس میں بھی میزان قائم کردیا۔ جیسے ہم نے اپنی ذات میں غوروفکر کیا۔

انسان کے تمام اعضاء کوجس کی جو ذمہ داری ہے اس کے مطابق اس کا اپنا مقام ہے اس کی ساخت اس کی ذمہ داری کے لحاظ سے۔ دل گردوں کی جگہ نہیں لے سکتا اور گردے دل کی جگہ نہیں لے سکتے۔ اسی طرح پورے جسم میں ایک توازن وضع ہوجاتا ہے، پھرہر اعضاء کے اندغوروفکر کریں تو آپ کوایک خلیہ جوحیات کی اکائی ہے جس سے انسان کا جسم بناہوا ہے اس میں بھی توازن نظر آئے گا اور اسی طرح سب سے نچلی سطح پر یعنی ذرے میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے میزان قائم کردیا۔

اب اگر انسان کا گوشت اور خون جن ذرات سے مل کر بنا ان میں توازن قائم رہے گا تو ہر اعضاء میں توازن قائم رہے گا اسی سے پھر پورے جسم میں، اسی سے پوری زمین میں، پھراسی طرح بتدریج ایک آسمان کی حدتک میزان قائم رہے گا۔

اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ . الرحمٰن ۸

جان لو جوتمہیں ہدایات دے دیں ان کے خلاف نہ کرومیزان میں

اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دے دیا کہ جان لو تم نے میری دی ہوئی ہدایات کے خلاف بلکل کچھ بھی نہیں کرنا اس میزان میں۔ یعنی اگرتم نے کوئی ایک بھی ایسی حرکت کی کوئی ایسا عمل کیا جس سے میں نے تمہیں روک دیا یا جس کی اجازت نہیں دی یا پھرجس کا حکم نہیں دیا تو اس سے یہ توازن یعنی میزان بگڑ جائے گا جس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہ نکلے گا۔

وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ . الرحمٰن

اورقائم کرووزن قسط کیساتھ اور نہ خسارہ کرومیزان میں

قِسۡط۔ مثال کے طور پرایک ترازو کے دونوں جانب ایک ہی مقدار میں اشیاء موجود ہیں جس سے دونوں پلڑے متوازن ہیں۔ آپ ایک طرف سے اگر کچھ اٹھائیں تو اس کے متبادل اتنے ہی وزن کی اشیاء وہاں رکھ دیں تاکہ دوبارہ توازن برقرار رہے۔

اورقائم کرووزن قسط کے ساتھ یعنی اس میں سے جو بھی استعمال کرو جس کے استعمال کی اجازت دی ہے تو صرف ایسا نہیں کرنا کہ بس استعمال کرتے جاؤ بلکہ جتنا استعمال کرنا ہے اتنا ہی اس کا متبادل بھی رکھنا ہے تاکہ میزان میں کوئی خسارہ نہ ہو یعنی اگر توازن بگڑ گیا تو پھر زمین وآسمان تباہی سے دوچار ہوں گے۔

ہم نے موضوع سے تھوڑا سا بڑھ کر یہاں بات کی جو کہ ضرورت تھی لیکن میزان کی جو مزید وضاحت اور ان آیات کی جو مزید وضاحت ہے جو کہ بہت زیادہ ہے اور جاننا بہت ضروری ہے موضوع کے مطابق ہم نے یہاں جان لیا اس کے علاوہ کسی اور موقعہ پر اس پر مفصل بات ہوگی ۔ان شاء اللہ۔ یہاں ہم نے اپنے موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی کسی اور موضع میں بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

الحمدللہ ہم نے میزان کو مختصراً اتنا ہی بیان کرنے کی کوشش کی کہ ہم اپنے اصل موضوع سے نہ ہٹیں۔ اب ہم آتے ہیں دوبارہ انسان پر۔

انسان میں جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے میزان قائم کیا۔ وہ الحمدللہ ہم پر واضع ہو چکا ہے اور اگر کوئی کسر باقی ہے تو غور و فکر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔ رسی کا سرہ الحمدللہ آپ کو پکڑا دیا اب اس سرے کو پکڑ کر گہرایوں میں غوطہ زن ہو جائیں۔ تاکہ حق کو مزید قریب سے سمجھ سکیں۔

انسان کے جسم میں جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے میزان قائم کیا اس کو قائم کیسے رکھا جا سکتا ہے نہ صرف اسے بلکہ قل میزان کو قائم کرنے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ.

الحدید ۲۵

تحقیق کے لیے بھیجا ہم نے اپنا پیغامبروں کو بلکل واضع کھلے ہوئے کیساتھ اور اتارا ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کیساتھ، قائم کرنے کے لیے لوگوں کو قسط کیساتھ

کون سی بینات ہیں؟ وہ بینات یہی ہیں جو ہم پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے کھول دیں یعنی جیسے ہم نے اللہ سبحان وتعالیٰ کے اس میزان کو جان لیا یہ صرف اور صرف اسی کی ہی بدولت ہوا۔ اور پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا ان کے ساتھ کتاب کو نازل کیا اور میزان۔ کتاب کو کس مقصد کے لیے نازل کیا وہ بھی آگے واضع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ میزان کھول کر واضع کر دیا اس میزان کو قائم کرنے کے لیے کتاب یعنی ہدایات دے دیں۔ قرآن میں اگر انسان کو صرف میزان کی سمجھ آجائے جیسا کہ سمجھ آنے کا حق ہے تو اس پر دین اور اس کی اہمیت بھی واضع ہو جائے گی اور حق اس پر بلکل واضع ہو جائے گا اس کا ایک ایک لمحہ تقویٰ میں گزرے گا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اب یہ بھی واضع کر دیا کہ اس میزان کو قائم رکھنے کا واحد ایک ہی ذریعہ ہے وہ ہے کتاب یعنی جو ہدایات اللہ سبحان وتعالیٰ نے دے دیں ان پر عمل کرنا ہے۔ اس کتاب میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے سب کچھ کھول کھول کر اور ہر طرف سے پھیر پھیر کر بیان کر دیا۔ اب ہم نے قسط کیساتھ میزان کو قائم کرنا ہے۔

جسم میں جو توازن اللہ سبحان وتعالیٰ نے قائم کیا اس میں کوئی بھی ایسی حرکت یا کوئی ایسا عمل نہیں کرنا جس سے اس میں خسارہ ہو، اور پھر تباہی کا شکار ہو۔ ہم نے ہر لمحے ہر عمل اللہ سبحان وتعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کرنا ہے۔

اب اس کے لیے ہمیں اپنی ذات میں مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ تا کہ ہم ایک فہرست مرتب کرسکیں کہ اس جسم کی کیا کیا ضروریات ہیں ان کو جان کر پھران کو اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کے مطابق پورا کیا جائے تا کہ یہ توازن برقرار رہے۔

انسانی جسم کی مختلف ضروریات ہیں۔ جس میں مرد اور عورت کی جنس مختلف ہونے سے کچھ ضروریات کچھ تقاضے بھی مختلف ہوجاتے ہیں لیکن وہ بہت کم ہیں اور دونوں کی ضروریات کی کثرت مشترک ہے۔

پہلے جو مختلف ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں بنیادی جنسی حاجات ہیں جن کی تفصیل یقیناً ہر کوئی جانتا ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں لیکن اس کے علاوہ کھانا پینا اور ان کے علاوہ جن ذرائع سے خوراک جسم کا حصہ بنتی ہے وہ سب مشترک ہیں۔

جیسے انسان جب سنتا ہے تو جو آواز وہ سنتا ہے وہ انسان کے نفس یعنی دماغ اور جسم پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہی۔ اس کے علاوہ زبان سے بولنا۔ انسان جو الفاظ بھی ادا کرتا ہے ان کے اثرات بھی انسان کے نفس اور اس کے جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ بلکل اسی طرح جو کچھ انسان دیکھا ہے۔ پھر اسی طرح جو کچھ انسان کھاتا پیتا ہے اور نہ صرف ان سب کے اثرات انسان کے جسم اور دماغ بلکہ انسان کے اردگرد کے ماحول اور معاشرے پر بھی مرتب ہوتے ہیں اردگرد کی مخلوقات پر بھی یہ سب اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جسم کو حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے ہر حال میں چاہیے ہوتی ہے۔ اگر نہ ملے تو جسم میں توازن بگڑ جائے گا۔ جو میزان اللہ سبحان وتعالیٰ نے قائم کیا اس میں خسارہ ہوجائے گا۔

اگر تو یہ تمام ضروریات خالق اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کیمطاق ہوں گی تو مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور اگر خالق کی ہدایات کے برعکس یا ان میں کوئی بھی تبدیلی یا ملاوٹ کی تو منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ جس سے نہ صرف انسان میں قائم میزان قائم نہ رہے گا بلکہ اس کے نقصانات کا ادراک انسان کا دماغ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ جو کہ خالق ہے تمام عالمین کا اس نے تمام عالمین کو کتنا پیچیدہ ترین تخلیق کیا یہ اسی کو علم ہے اس کے علاوہ کسی کا علم اس کا احاطہ کرسکتا ہے اور نہ ہی ادراک۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ . الانفال ۲۷

اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ خیانت کرو اللہ کی اور رسول کی

خیانت امانت میں کیا جاتی ہے اصل میں آیت کا اصل ترجمہ یہ بنتا ہے کیونکہ آیت کے اگلے حصے میں **تَخُوْنُوا** کے بعد امانت کا لفظ بھی آیا ہے۔ کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہمارے پاس کون سی امانت ہے؟ اس کی اگر فہرست بنائیں تو وہ بہت طویل ہوگی لیکن ہم صرف یہاں اپنے موضوع کا ہی احاطہ کریں گے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہمارے پاس جو امانت ہے اس میں ہمارا یہ جسم بھی ہے۔ تو یہ جسم ہمارے پاس اللہ سبحان وتعالیٰ کی

امانت ہے۔

اب رسول اللہ ﷺ کی امانت کیا ہے تو اس میں پہلی تو وہ صلاۃ تھی دین کا قیام تھا جو اللہ کے رسول دین قائم کر کے اس کے آگے اپنی امانت ہمارے حوالے کر گئے جس میں ہم نے امانت داری کا فریضہ انجام دیا یا خیانت کی اور کر رہے ہیں وہ ہم سب پر واضع ہے لیکن پھر وہی بات کہ موضوع کا احاطہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہمارے پاس جو امانت ہے وہ اللہ کی وہ ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں دیں۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی امانت میں خیانت نہیں کریں گے تو اللہ کی امانت میں بھی خیانت نہیں ہوگی۔ کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے مطابق جسم کی تمام ضروریات پوری کریں گے تو اس سے ایک تو رسول اللہ ﷺ کی امانت کا کسی حد تک حق ادا ہو جائے گا اور پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کی امانت بھی خیانت سے محفوظ رہے گی۔

يَآَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ .البقرة ١٦٨

اے وہ لوگو جو ارض پر ہو کھاؤ اس میں سے جو ارض میں ہے حلال طیب، اور نہ کرو شیطان کے خطوات کی اتباع، اس میں کچھ شک نہیں وہ تمہارے لیے ایسا دشمن ہے جس پر تمہارا سب کچھ واضع ہے۔

اس آیت کے شروع میں ھا ارض یعنی زمین کی طرف اشارہ ہے۔

سب سے پہلی بات اس آیت میں جو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیت بنیادی طور پر دو اور ویسے تین حصوں میں تقسیم ہے۔

اگر ہم بنیادی دو حصوں کو دیکھیں تو ان میں پہلا حصہ يَآَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا

اور دوسرا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ .

دونوں حصوں کے درمیان ''وَ'' کے آجانے سے اول تو آیت دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور دوم یہ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں جو اسلوب اپنایا ہے اس کے مطابق دوسرا حصہ آیت کے پہلے حصے سے مشروط ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر جیسے درخت وغیرہ کی جڑھ پہلے ہوتی ہے اور تنا بعد میں۔ تنا جڑھ سے مشروط ہے۔ جڑھ کا وجود ہوگا تو تنا وجود میں آئے گا۔ یا اسی طرح آپ کی اس دنیا میں موجودگی آپ کے والدین سے مشروط ہے وہ پہلے ہوں گے تو آپ کی موجودگی کا تصور پیدا ہوگا۔ بلکل اسی طرح اگر آیت کے پہلے حصے پر عمل کیا جاتا ہے تو دوسرے حصے پر عمل ہوگا۔ یعنی وہ اپنا اثر دیکھائے گا ورنہ نہیں۔

آیت میں پہلے حصے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے حلال طیب کھانے کا حکم دیا اور دوسرے حصے میں شیطان کے خطوات کی اتباع کرنے سے منع کیا اور وہ **عَدُوٌّ مُّبِیۡن** ہے۔یعنی اگر حلال طیب کھایا جائے گا تو شیطان کے خطوات کی اتباع نہیں ہوگی شیطان کی دشمنی کا شکار نہیں ہوں گے۔ورنہ شیطان کے خطوات کی اتباع کر بیٹھیں گے خواہ زبان سے کتنے ہی دعوے کیوں نہ کرتے رہیں۔
اس کو مزید آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔حلال طیب کھانا شیطان سے بچنے کی ڈھال ہے۔شیطان کا ہتھیار حرام اور خبیث خوراک ہے۔حرام اور خبیث کھانا گویا کہ شیطان کے خطوات کی اتباع ہے۔اس طرح وہ دشمنی کرتا ہے۔

حلال۔جس کے استعمال کی اللہ سبحان وتعالیٰ نے اجازت دے دی وہ حلال کہلاتا ہے۔

طیب۔وہ اشیاء جو سو فیصد قدرتی ہوں ان میں کوئی بھی تبدیلی نہ کی جائے کسی قسم کی ملاوٹ نہ کی جائے۔کسی بھی مصنوعی تبدیلی یا ملاوٹ سے پاک۔اور ہر قسم کی خباثت،نجاست اور غلاظت سے پاک۔جن کے استعمال سے انسان کے جسم،نفس اور ارد گرد ماحول و معاشرے اور باقی مخلوقات پر کسی بھی قسم کے منفی اثرات مرتب نہ ہوں۔
طیب کو سمجھنا بہت زیادہ ضروری ہے طیب کو سمجھنے کے لیے قرآن سے راہنمائی لیتے ہیں۔

وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ . البقرہ ۵۷

اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ، کھاؤ طیبات سے جو رزق ہم نے تمہیں دیا۔
اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ من اور سلویٰ کو طیب کہہ رہے ہیں۔قرآن میں غور و فکر کرنے سے پتا چلتا ہے اور اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے بلندی سے اتارا ان پر من اور سلویٰ۔یعنی سو فیصد قدرتی شئے جس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔کوئی ملاوٹ، اس میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ ایک شئے اتار رہے ہیں تو وہ شئے کیسی ہوگی؟ یعنی ایک ایسی شئے جس کی تخلیق سے لیکر جس مقصد کے لیے خلق کی گئی اس مقصد کو پورا کرنے کے مقام تک پہنچنے تک اللہ کے علاوہ اور کوئی بھی شریک نہ ہو۔
جس کے لیے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ جو بھی خلق کرتے ہیں کس طرح خلق کرتے ہیں اگر تو سو فیصد انہیں مراحل سے گزر کر خلق ہوئی ہو اور جسم میں داخل ہونے تک اسی حالت میں ہو جس کا اللہ نے حکم دیا تو وہ طیب کہلائے گی اور اگر اس کے برعکس اس کے اول سے لیکر آخر تک کسی بھی مرحلے میں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک بنالیا تو وہ طیب نہیں ہوگی۔طیب میں پاکیزہ اور صاف ستھرے کے بھی معنی موجود ہیں۔
اللہ سبحان وتعالیٰ خالق ہیں، مالک ہیں تو ان کو ہی علم ہے کہ ہماری ضروریات کیا ہیں خوراک میں جسم کو کن کن اجزاء کی ضرورت ہے اسی کے مطابق اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے لیے خلق کرتے ہیں زمین سے اگاتے ہیں اگر اس میں کوئی تبدیلی کر دی جائے گی تو جسم کو فائدے کی

بجائے نقصان ہوگا۔خواہ نقصان کم ہو اور اس کے نقصانات دیر سے سامنے آئیں۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ. التوبہ ۷۲، الصفات ۱۲

اور طیب رہائشیں جنت عدن میں

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ . یونس ۲۲

طیب ہوا کیساتھ

عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً . النور ۶۱

اللہ کے پاس برکت والا طیب

ان آیات سے بھی بلکل واضع سمجھا جا سکتا ہے۔جنت میں رہائشوں کا ذکر ہے جن کو طیب کہا گیا۔ایک تو وہ پاکیزہ ہوں گے اور دوسرا وہ قدرتی صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کے بنائے ہوئے ہوں گے۔یعنی وہ صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کے حکم وفیصلے کے مطابق ہوں گے فطرت پر۔

طیب ہوا کا ذکر ہے جو مکمل آیت پڑھنے سے واضع ہو جاتا ہے کہ کس ہوا کو طیب کہا گیا۔شہروں اور انسانوں کی بستیوں سے دور سمندروں کے درمیان جو ہوا ہے۔جو قدرتی ہے انسانوں کے فضلے وفساد سے پاک۔گاڑیوں وفیکٹریوں کے دھویں وکاربن وغیرہ سے پاک۔یہ بات بہت غور طلب ہے۔

کیا ہوا صرف خشکی سے دور سمندروں کے درمیان ہے؟ اگر نہیں تو پھر صرف اسی کو طیب کہنا یہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے سمندروں کے درمیان کی ہوا کو طیب کہہ کر اس لیے مثال دی اور خشکی ،دریاؤں یا سمندر کے کناروں کے نزدیک کی ہوا کی مثال اس لیے نہیں دی کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ کو علم تھا کہ جب انسان فساد کرے گا تو اس وقت صرف یہی ہوا طیب ہوگی کیونکہ انسان کی یہاں تک فساد کرنے کی صلاحیت اور پہنچ نہیں ہوگی۔لیکن اس کے برعکس خشکی پر کسی علاقے ،دریاؤں یا پھر سمندروں کے کناروں کے قریب ہوا کی مثال دیتے تو آج وہ ہوا طیب نہیں رہی انسان کے فساد کی وجہ سے یوں یہ قرآن کا ایک عظیم معجزہ بھی ہے۔

بعض لوگ طیب کے معنی پاکیزہ یا صاف ستھرا لیتے ہیں یہ معنی نامکمل ہے۔ان الفاظ کے لیے جو الفاظ قرآن سے استعمال کیے وہ ازکیٰ، طھرا وغیرہ ہیں۔البتہ ان الفاظ کے معنی بھی طیب میں پائے جاتے ہیں۔

اللہ کے پاس برکت والا طیب۔اس سے بھی کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔ان آیات سے بھی بلکل واضع ہو جاتا ہے طیب کا مطلب کیا ہے۔ کوئی بھی ایسی شئے جس میں اللہ کے علاوہ کسی اور مخلوق کا حکم شریک نہ ہو۔خالص قدرتی اور پاکیزہ شئے۔جس کے استعمال سے انسان کے

جسم، نفس اور معاشرے پر کسی بھی قسم کے منفی اثرات مرتب نہ ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ .البقرة ۱۶۸

اے وہ لوگوں جوارض پر ہو کھاؤ اس میں سے جو ارض میں ہے حلال طیب، اور نہ کرو شیطان کے خطوات کی اتباع، اس میں کچھ شک نہیں وہ تمہارے لیے ایسا دشمن ہے جس پر تمہارا سب کچھ واضع ہے۔

اس آیت میں مزید جو باتیں بہت ہی قابل غور ہیں وہ یہ کہ کھانے پینے کے حکم کے حوالے سے قرآن میں ترتیب کے لحاظ سے یہ پہلی آیت ہے اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو۔ بلکہ ہر اس انسان کو حکم دیا جو اس ارض پر موجود ہے کہ کھاؤ اس میں سے جو زمین میں ہے حلال طیب۔

بلاتفریق سب کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ حکم کیوں دیا اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ خوراک انسان کے خلاف شیطان کا سب سے پہلا اور موثر ترین ہتھیار ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس کے استعمال سے وہ انسانوں میں تفریق کرتا ہے یعنی ایسے لوگوں کو الگ کر لیتا ہے جو حزب الشیاطین ہوتے ہیں۔ اگر تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہاں عام کی بجائے خواص کو حکم دیا ہوتا تو واضع تھا کہ اس سے پہلے کچھ ایسا ہے جس سے انسانوں کو تقسیم کر دیا، اور ایک گروہ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس عام حکم ہے اور بلاتفریق سب کے لیے تو پھر واضع ہو گیا کہ یہ بلکل وہی موقع ہے کہ جیسے آپ گھر کی تعمیر کے لیے کچھ لوگوں کو لے کر آئیں اور انہیں حکم دیں گھر کی تعمیر کا۔ تو اس وقت آپ سب کو حکم دیں گے لیکن اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کون ہیں جو اچھا کام کرتے ہیں اور کون لاپرواہی کر کے آپ کا نقصان کرتے ہیں پھر جب آپ کوئی حکم دیں گے تو وہ خواص کے لیے ہوگا یعنی صرف ان کے لیے جو اچھا کام کرنے والے ہوں گے جو کاہل تھے ان کو آپ الگ کر دیں گے۔ ان کی چھٹی کروا کر خود سے دور کر دیں گے۔

تو یہاں اللہ سبحان وتعالیٰ سب کو حکم دے رہے ہیں لیکن اس کے بعد تقسیم ہوجاتی ہے پھر اس معاملے میں حکم عام کی بجائے خواض کو ہوجاتا ہے۔ اس سے جو بات واضع ہوتی ہے وہ یہ کہ حلال طیب ہی اصل وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ تو پھر یوں کہہ لیں کہ یہی اس رستے کا نقطہ آغاز ہے واحد وہ رستہ جو جنت میں جاتا ہے۔ سب کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس نقطے سے اپنے سفر کا اغاز کرو یہ تمہیں صراط مستقیم پر قائم رکھتے ہوئے جنت میں داخل کروائے گا۔

اور پھر صرف حلال ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ حلال کیساتھ وہ طیب بھی ہو۔ اگر طیب نہیں ہوگا تو حلال نہیں بلکہ حرام ہوجائے گا۔ جیسے مثال کے

طور پر آپ کسی گاؤں میں جائیں جہاں کے باسی فطرت پر زندگی گزار رہے ہوں۔ ان کی ہر شئے قدرتی ہو۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے حلال طیب بکرا ذبح کر کے پکا کر کھانے کے لیے آپ کے سامنے رکھا جائے لیکن اسی دوران آپ کی آنکھوں کے سامنے اس پر پیشاب کے کچھ قطرے گرا دیئے جائیں تو کیا پھر بھی آپ کھائیں گے؟

یقیناً نہیں کیونکہ اب وہ طیب نہیں بلکہ خبیث ہو گیا ہے۔ جس وجہ سے اب وہ قابل استعمال نہیں رہا یعنی حرام ہو گیا۔

خطوات الشیطان۔ مثال کے طور پر ایک کتا ہو جسے آپ نے قید کرنا ہو لیکن وہ قابو نہ آ رہا ہو، اسے کچھ دن بھوکا رہنے دین جب اس پر بھوک کی شدت غالب آ جائے تو گوشت یا روٹی وغیرہ کے ٹکڑے اس طرح فاصلے فاصلے پر پھینکتے جائیں کہ پہلا ٹکڑا کتے کے قریب اور آخری پنجرے کے اندر۔ کتا کھانے میں مگن جب آخری ٹکڑا اٹھائے گا تو پنجرے میں داخل ہو کر قید ہو چکا ہو گا۔

یہ خطوات الشیطان کہلاتے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے حلال طیب غذا میں ایسی قوتیں رکھیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے شیطان انسان پر قابو نہیں پا سکتا لیکن اگر انسان کا جسم ان سے خالی ہو جائے تو پھر انسان با آسانی اس کے چنگل میں پھنس جاتا ہے اور الٹا فخر محسوس کر رہا ہوتا ہے۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے شیطان کے خطوات کی اتباع نہ کرنے کو حلال طیب کھانے سے مشروط کر دیا۔ جو حلال طیب کھائیں گے ان پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو گا اور وہی شیطان کے خطوات کی اتباع سے بچ پائیں گے۔ جو حلال طیب کے بجائے خبیث کھائیں گے وہی شیطان کے خطوات کی اتباع کرنے والے ہوں گے۔ اور پھر یہ ہے کو وہ ہمارا ایسا دشمن ہے کہ جس پر ہمارا سب کچھ واضع ہے۔ اسے علم ہے کہ ہمیں کیسے اپنے جال میں پھنسانا ہے۔ خوراک بنیادی ہتھیار ہے اس کا۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ . المائدہ ۸۸

اور کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تمہیں اللہ نے حلال طیب، اور بچو اللہ سے، وہی ہے تم اس کے ساتھ مومن ہوتے ہو

پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی ''وَ'' کے آنے سے ایک تو آیت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور دوسرا یہ کہ آیت کا دوسرا حصہ پہلے حصے سے مشروط ہو گیا۔

پہلے حصے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو حکم دیا وہ بہت ہی غور طلب ہے۔ کھاؤ اس رزق میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ سب سے پہلی بات کہ رزق صرف وہی ہو گا جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے دیا۔ ہم غور و فکر کریں گے تو ہم پر واضع ہو جائے گا وہ کون سا رزق ہے اس کی وضاحت آگے آنے والا لفظ طیب بھی کر دیتا ہے لیکن اس سے پہلے غور و فکر کریں تو صرف وہی رزق جو اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ہو یعنی مصنوعی نہ ہو۔ سب سے بہتر طریقے سے جاننے کے لیے غور و فکر کریں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کیسے رزق دیتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے انسان

آدم علیہ السلام یا پھر کسی بھی نبی یا ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور اس وقت کو سامنے رکھ کر سمجھیں۔ کہ کس طرح اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں رزق دیتے تھے۔ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک نظام قائم کر دیا اس نظام کے تحت اللہ سبحان وتعالیٰ رزق دیتے ہیں۔ اس نظام میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے بہت سے کارخانے کام کررہے ہیں جنہیں ملائکہ چلا رہے ہیں۔ بہر حال ان شاء اللہ آگے چل کر صراحت کیساتھ وضاحت ہو جائے گی تب تک آپ خود سے غور وفکر کر کے جانیں۔

پھر اس رزق میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے دو شرائط عائد کر دیں ایک تو اس رزق میں سے وہ ہو جس کے کھانے کی اللہ نے اجازت دی اور اسے بھی تب ہی کھانا ہے جب وہ طیب ہو۔ طیب ہو گا تو حلال ہو گا ورنہ خبیث ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گا۔

آیت کے دوسرے حصے میں اللہ سے تقویٰ کا ذکر ہے

تقویٰ۔ اس کو ہم ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بڑی سی وادی ہو جو اطراف سے مضبوط، آہنی اور بلند دیواروں سے بند ہو۔ اس میں داخل ہونے کے تو کئی رستے ہوں لیکن باہر نکلنے کا ایک ہی رستہ ہو اور وہ بھی پوشیدہ ہو۔ جو بھی انسان اس وادی میں داخل ہوتا ہے اس وادی کے مالک اسے پکڑ کر ایک قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں۔

آپ تصور کریں کہ آپ بھی اس میں داخل ہوئے اور آپ کو بھی پکڑ کر اس قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ اب سب کے سامنے ایک ایک کو آگ میں ڈالا جاتا ہے آگ بھی ایسی کہ جس میں لوہا اور پتھر پگل کر پانی بنے ہوئے ہیں۔ اور جب آپ کی باری آئے تو وہ آپ سے کہیں کہ آپ کو ایک گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے باہر نکلنے کا پوشیدہ رستہ تلاش کر کے اس وادی سے باہر نکل جائیں ورنہ آپ کو بھی اس آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اب ذرا تصور کیجئے آپ کی اس وقت کیا حالت ہوگی اور آپ کیا کریں گے؟

یقیناً ڈر اور خوف سے آپ کی حالت انتہائی بری ہوگی اور آپ اس آگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اب ذرا تصور کریں کہ اس دی گئی مختصر مہلت کے دوران اگر آپ کے سامنے سونے کا پہاڑ لا رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ سونے کا پہاڑ لے لیں اور باہر نکلنے کی جدوجہد ترک کر دیں تو آپ کیا کریں گے؟

آپ کے سامنے دل لبھا دینے والے کھانے لائے جائیں تو آپ کیا کریں گے؟

یقیناً آپ ان کی طرف دیکھنا تک گوارہ نہیں کریں گے اور اس آگ سے بچنے کے لیے باہر نکلنے والے پوشیدہ رستے کی تلاش میں اس مہلت کا ایک ایک لمحہ کھپا دیں گے۔ ایسی کیفیت اور اس طرح بچنے کی تگ ودو کو عربی میں تقویٰ کہا جاتا ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے تقویٰ کو حلال طیب کھانے سے مشروط کر دیا۔ اگر حلال طیب کھائیں گے تو دل میں ایسی کیفیت پیدا ہوگی اور جسم پر اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

پھر آیت کے آخری حصے میں "بہ" لفظ یہ حلال طیب رزق کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے ساتھ انسان مومن بنتا ہے۔ اب آیت میں جو اللہ

سبحان وتعالیٰ نے ترتیب بیان کی اس کو سامنے رکھتے ہیں۔

کھانا صرف اس رزق میں سے ہے جو اللہ کا رزق ہے یعنی خالق ہونے کے ناطے جو اس نے خلق کیا اسکے علاوہ کوئی بھی رزق جس میں کسی نے اللہ کے ساتھ شراکت کی وہ اللہ کا رزق نہیں کہلائے گا۔ کیسے اللہ کے ساتھ شراکت کی جاتی ہے اس کی مفصل وضاحت کتاب کے آخری حصے میں آئے گی۔ اور رازق ہونے کے ناطے اس میں سے جس رزق کا ہمارے لیے انتخاب کیا۔ پھر وہ رزق حلال ہو یعنی وہ ہونا چاہیے جس کے استعمال کی ہمیں اجازت دی پھر وہ طیب بھی ہونا چاہیے۔ ایسا رزق انسان جب کھائے گا تو اس کا دل طیب ہوگا اور اس میں تقویٰ پیدا ہوگا جس کے نتیجے میں وہ ایسے اعمال کرے گا جن سے اس کی اصلاح ہو جائے تو وہ مومن بن جائے گا۔

جیسا کہ پچھلی آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو حلال طیب کھانے کا حکم دیا تھا اور ساتھ شیطان کے خطوات کی اتباع نہ کرنے کو اس سے مشروط کر دیا تھا۔ اب اس آیت سے بلکل واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو حلال طیب کھانے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے کہ یہ وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کے اندر ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو ایمان لا کر مومن بننے یعنی اسلام میں داخل ہو کر فلاح پانے کا موجب بنتی ہے۔

تمام انسانوں کو حکم دیا تھا جو اس حکم پر عمل کریں گے ان کے اندر تقویٰ پیدا ہوگا جس وجہ سے شیطان کا ان پر بس نہیں چلے گا، اور جو نہیں کھائیں گے ان کے اندر تقویٰ پیدا نہیں ہوگا اور وہ شیطان کی اتباع کریں گے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ الانفال ٦٩

پس کھاؤ اس غنیمت میں سے جو حلال طیب ہے، اور بچو اللہ سے، اس میں کچھ شک نہیں اللہ غفر کرنے والا اور رحیم ہے

اس آیت میں استعمال ہونے والے کچھ الفاظ کو پیچھے پہلے ہی ہم سمجھ چکے ہیں لیکن جو ابھی تک نہیں سمجھ سکے پہلے ان الفاظ کو سمجھتے ہیں۔

غفور۔ غفر سے ہے غفر کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی شئے خالص ہو اور اس میں ملاوٹ کر کے اس کی اصل حالت کو بگاڑ دیا جائے یا تبدیل کر دیا جائے، اس ملاوٹ یا تبدیلی وغیرہ کو دور کر کے شئے کو دوبارہ خالص بنا دینا غفر کہلاتا ہے اور غفر کرنے والا غفور کہلائے گا۔

رحیم۔ اس کا مادہ ''رح م'' یعنی رحم ہے۔

رحم ماں کے پیٹ میں اس حصے کو کہتے ہیں جہاں بچہ نو ماہ تک نشو نما پاتا ہے۔ رحم میں غور و فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ رحم نو ماہ تک بچے کے گرد ایک حفاظتی حصار قائم کا نام ہے جو بچے کو ان نو ماہ کے دوران جس شئے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اسے مہیا کر کے اس کے برعکس نہ ملنے کی صورت میں پیش آنے والی تکالیف ونقصانات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح رحم نو مہینے تک بچے کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے۔

اسی طرح رحیم کا مطلب ہر قسم کی تکالیف، مصائب، پریشانیوں اور ہر قسم کے شر وغیرہ سے ان کا متبادل مہیا کر کے حفاظت کرنے والا اور رحیم میں ''ح'' کے بعد ''ی'' کے آجانے سے اس میں دوام بھی آجاتا ہے۔ دنیا چونکہ دائمی نہیں یہ عارضی ہے اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ آخرت میں جو کہ دائمی ہے الرحیم ہوں گے۔ اور دنیا میں الرحمٰن۔ الرحمٰن کا مادہ بھی یہی ہے اور الرحمٰن کا مطلب بھی حفاظت کرنے والا ہے۔ الرحمٰن میں ''ح'' کے بعد میم پر کھڑی زبر کے آجانے سے ایک مدت کا تعین ہو جاتا ہے۔ یوں الرحمٰن کا مطلب بن جاتا ہے ایک مدت تک ہر مصیبت، تکلیف وغیرہ کا متبادل عطا کر کے حفاظت کرنے والا۔

پورے قرآن میں اگر ہم غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں بھی الرحمٰن ہونے کے لیے کوئی شرط عائد نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ بلاتفریق سب کے لیے الرحمٰن ہیں لیکن اس کے برعکس الرحیم اللہ تعالیٰ سب کے لیے نہیں ہیں اس کے لیے اللہ نے کچھ شرائط عائد کر دیں جو ان شرائط پر پورا اتریں گے ان کے لیے اللہ رحیم ہوں گے۔

الرحمٰن ۔ایک مدت تک جس کا تعین کر دیا گیا ہے تک تمام مخلوقات کی حفاظت کرنے والا۔

انسان کی ہی مثال لے لیجئے۔ کہ اگر انسان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو تو اسے کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح اگر پینے کے لیے نہ ہو، پہننے کے لیے، رہنے کے لیے، اسی طرح اگر ہاتھ نہ ہوں، آنکھیں نہ ہوں، یا جسم کا کوئی بھی اعضاء نہ ہو تو کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح بہت سی مخلوقات جو انسان کے لیے خطرہ اور تکالیف کا سبب ہیں، سانپ، بچھو، دھاڑنے، چیرنے اور پھاڑنے والے درندے وغیرہ اگر انسان کو ان کے درمیان رہنا پڑے تو کیا تکالیف ہوں گی؟ اسی طرح ایسی اشیاء جن کے کھانے سے تکلیف ہوتی ہے؟ اسی طرح جن اشیاء کے چھونے سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً آگ وغیرہ

تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے رحمٰن ہونے کے ناطے ایک مدت تک ان سب کا متبادل عطا کر کے ان تمام تکالیف ومصائب سے محفوظ کر دیا حفاظت کر دی۔ جو کہ بلاتفریق سب کی۔ لیکن جب یہ مدت ختم ہو جائے گی تو پھر اللہ الرحمٰن نہیں ہوں گے بلکہ الرحیم ہوں گے۔ یعنی تب صرف ان کی حفاظت کی جائے گی ان تمام تکالیف سے۔ جنہوں نے ان شرائط کو پورا کیا ہو گا جو عائد کی گئیں۔

کہ جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے الرحمٰن ہونے کے ناطے یہ سب کچھ عطا کیا۔ یعنی جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہاتھ، پاوں، آنکھوں سمیت جسم کے تمام اعضاء، کھانے کو، پینے کو، رہنے کو وغیرہ سمیت جو کچھ بھی عطا کیا پھر ان کے علاوہ جن تکالیف سے کسی بھی صورت حفاظت کی، جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایسا کیا جنہوں نے وہ مقصد پورا کیا ہو گا ان کی اس سے آگے یعنی آخرت میں جو کہ دائمی ہے میں الرحیم ہونے کے ناطے حفاظت کی جائے گی، پیچھے ذکر کردہ تکالیف سے محفوظ کیا جائے گا ورنہ پھر ان تمام تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو جہنم کہلاتی ہے

اس آیت کے شروع میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ''ف'' کا استعمال کیا جس کا مطلب ہوتا ہے پس۔ کہ ''ف'' کے ساتھ جو بھی حکم دیا جا رہا ہے وہ کرنا ہی کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اور حسب سابق اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے تقویٰ کو حلال طیب سے مشروط کر دیا۔

اور اس کے بعد اپنی دوصفات غفور اور رحیم کو بھی حلال طیب کھانے سے مشروط کر دیا۔غفور رحیم کے درمیان ''وٗ''نہیں جس کا مطلب ہم ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔مثال کے طور پر آپ نے دو کام کرنے ہیں لیکن دونوں کو الگ الگ نہیں کرنا ایک کام آپ کریں گے اس کے ہونے سے ہی دوسرا خود بخود ہو جائے گا۔

انسان اگر حلال طیب کھائے گا تو اس کا جسم اور دل طیب ہو گا جس سے اس کے دل میں تقویٰ پیدا ہوا گا اور پھر وہ ایسے اعمال کرے گا جن سے اس کی اصلاح ہو جائے گی۔اصلاح اس کی کی جاتی ہے جس میں بگاڑ ہو۔آدم علیہ السلام نے اس باغ کے درخت میں سے کھا کر جو کمی کی تھی جس کی وجہ سے جسم میں بگاڑ یعنی خرابیاں پیدا ہوئیں تھیں اس کی اصلاح ہوگی۔اس کے باوجود جو کوئی کمی بیشی رہ گئی ہوگی تو اللہ سبحان و تعالیٰ غفور ہونے کے ناطے ایسے انسان سے ان کو دور کر کے دوبارہ اس حالت میں لوٹا دیں گے جو اول جنت والی تخلیق تھی تو انسان کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ رحیم بھی ہو جائیں گے یعنی دائمی طور پر اس انسان کی ان تمام مصیبتوں، تکلیفوں، حاجات سے حفاظت کر دیں گے جن کا سامنا جہنم کی صورت میں خسارہ ہو سکتا تھا۔

اس آیت میں ہم پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ بھی واضع کر دیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ غفور رحیم کیسے ہیں۔اللہ سبحان وتعالیٰ نے کچھ شرائط عائد کر دیں جو ان پر پورا اتریں گے ان کے لیے غفور رحیم ہوں گے۔یعنی حلال طیب کھائیں گے تو تقویٰ پیدا ہو گا اور تقویٰ پیدا ہونے سے انسان اپنی اصلاح کرے گا پھر اللہ سبحان وتعالیٰ غفور رحیم ہوں گے اور جو ان شرائط پر پورا نہیں اتریں گے ان کے لیے غفور رحیم نہیں بلکہ جو ان کی متضاد صفات ہیں جن کے ناطے اللہ سبحان وتعالیٰ عذاب دیں گے وہ ہوں گے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا ص وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ .

النحل ۱۱۴

پس کھاؤ اس میں سے جو رزق تمہیں اللہ نے دیا حلال ہو طیب ہو، اور شکر کرو اللہ کی نعمتوں کا اگر تم ہو صرف اور صرف اسی کی غلامی کروائے جانے والے

اس آیت کے شروع میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ''**ف**''کا استعمال کیا جس کا مطلب ہوتا ہے پس۔کہ ''**ف**''کے ساتھ جو بھی حکم دیا جا رہا ہے وہ کرنا ہی کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہو جائے، کریں گے تو بچیں گے ورنہ دنیا و آخرت میں عذاب یعنی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔پھر حسب سابق اس آیت میں بھی ''وٗ''کے استعمال سے یہ آیت دو حصوں میں تقسیم ہو کر دوسرا حصہ پہلے سے مشروط ہو گیا۔

اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے شکر کو حلال طیب سے مشروط کر دیا اور اپنی غلامی کو بھی۔

اشْكُرُوْا ۔اسے ہم ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔تصور کریں آپ کسی ریگستان میں گم ہو جائیں سر پر سورج آگ برسا رہا ہو، آس پاس

دور دور تک کچھ بھی دیکھائی نہ دے رہا ہو۔ وہاں پر بھوک، پیاس اور گرمی کی شدت سے آپ کی حالت ایسی ہو چکی ہو کہ کسی بھی وقت موت آ جانے والی ہو۔ اس حالت میں وہاں کوئی انسان نمودار ہو اور آپ کو کھانے، پینے کو دے آپ کی جان بچائے تو اسکی آپ کے نزدیک کیا اہمیت ہوگی؟

اب اس کے بدلے اگر وہ انسان آپ سے کچھ ایسا بدلہ طلب کرے جس کی آپ میں استطاعت ہو تو کیا آپ انکار کر دیں گے یا اسے وہ دے دیں گے؟ یقیناً آپ انکار نہیں کریں گے آپ اسے وہ ضرور دیں گے۔ یہ عربی میں شکر کہلاتا ہے۔

مزید آسان ترین الفاظ میں شکر کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے جو شئے دی گئی اس کا اسی مقصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا شکر کہلاتا ہے۔

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ. اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔

وہ کون سی اللہ کی نعمتیں ہیں جن کا شکر کرنا ہے۔ ہم غور و فکر کریں تو ہم پتا چلے گا۔ ہمارے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھیں، منہ، دل، گردوں سمیت جسم کے تمام کے تمام اعضاء۔ تصور کریں اگر آنکھیں نہ ہوں تو کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اسی طرح باقی تمام اعضاء نہ ہوں تو۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں ان کا شکر کرنا ہیں یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے جس مقصد کے لیے یہ عطا کیں وہ مقصد پورا کرنا ہے۔ ان کا بدلہ ان کا اللہ کی مرضی کیمطابق استعمال ہے۔

پھر ہمیں رہنے کو زمین دی، سر پر گیس کی سات تہیں بچھا کر چھت بنا دی کے آسمانوں سے کوئی پتھر، سیارہ آ کر ہمیں تباہ نہ کر دے، سورج کی نقصان دہ شعاؤں کو ان کے ذریعے روک دیا، پھر ہمیں کھانے کو جو کچھ بھی دیا، پہننے کے لیے اسی طرح ہم غور کریں اور بھی جتنی اللہ سبحان و تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ان کا بدلہ دینا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ نے وہ بدلہ ان کے استعمال کی صورت میں طلب کیا۔ ان کا ستعمال صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرنا ہے۔

ہمیں جو زندگی دی یہ بھی اللہ کی نعمت ہے اس کا شکر یعنی اس کا بدلہ اللہ کے ساتھ مخلص ہو کر ایسے زندگی گزارنی ہے جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دے دیا۔ پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں جو بیویاں اور اولاد دی۔ ان کی تعلیم و تربیت، ان کی دیکھ بھال، اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی کیمطابق کرنا شکر ہوگا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے حلال طیب خوراک سے اللہ کی نعمتوں کا شکر مشروط کر دیا۔ یعنی صرف اور صرف وہی اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے جو حلال طیب کھائیں گے۔ جو حلال طیب نہیں کھائیں گے ان کے اندر شکر کی کیفیت پیدا ہی نہیں ہوگی انہیں احساس ہی نہیں ہو گا اور نہ ہی وہ ان کا بدلہ دے سکیں گے یعنی ایسے لوگ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزاریں گے۔ ان کے اعمال شیطان کی مرضی کے مطابق ہوں گے۔

وہ اللہ کی نعمتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے بجائے اس کی مرضی کے خلاف شیطان کی مرضی کیمطابق کریں گے۔

پھر آیت کے آخری حصے میں صرف اور صرف اللہ کی غلامی کروانے کا ذکر ہوا۔ وہاں لفظ ''**تعبدون**'' ہے۔ جو ''**اعبدون**'' کے شروع میں ''**ت**'' کے استعمال سے بنا ہے ہے''اعبدون'' کے معنی ہیں غلامی کرنا لیکن اس کے شروع میں ''**ت**'' کا استعمال ہو گیا۔ جس سے معنی میں تبدیلی واقع ہو جائے گی۔

جس لفظ کے شروع میں ''**ت**'' کا استعمال ہو جائے اس کا مطلب بن جاتا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ عوامل کارفرما ہیں۔ جیسے لفظ ''علم'' اگر اس کے شروع میں ''**ت**'' کا استعمال ہو جائے تو اس کا مطلب بن جاتا ہے ایسا علم جو کسی سے سیکھا گیا ہے۔

''**تعبدون**'' ایسی غلامی جس کے پیچھے کوئی عوامل کارفرما ہیں جن کے ذریعے غلامی کی جارہی ہے اگر وہ عوامل ہٹ جائیں یا ہٹا دیئے جائیں تو پھر غلامی کا تصور ختم ہو جائے گا۔ وہ کون سے عوامل ہیں وہ حلال طیب کھانا ہے۔
حلال طیب کھائیں گے تو اللہ کی نعمتوں کا شکر کر پائیں گے۔ تمام نعمتوں کو اللہ کی مرضی کیمطابق استعمال کریں گے اور یہی صرف اور صرف اللہ کی غلامی ہوگی، جسے عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ عبادت عبد سے ہیں عبد کا معنی غلام ہے اور عبادت کے معنی غلامی کے ہیں۔

یہ چار آیات ہر لحاظ سے حجت ہیں۔ ویسے تو اولوالاباب کے لیے تو ایک ہی آیت کافی ہے۔ ان میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا کہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے چاہے کچھ بھی ہو جائے تم نے صرف اور صرف وہی کھانا ہے جو حلال ہو طیب ہو۔ حلال طیب کھائیں گے تو شیطان کے خطوات کی اتباع سے بچیں گے، جسم طیب ہوگا، دل طیب ہوگا جس کے نتیجے میں تقویٰ پیدا ہوگا، تقویٰ انسان سے وہ اعمال کروائے گا جن کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دیا یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر کر پائے گا اور صرف اور صرف اللہ کی غلامی کر پائے گا، اللہ سبحان وتعالیٰ غفر کر کے رحیم ہونے کے ناطے جنت میں داخل کریں گے۔
اب اگر کوئی انسان جو حلال طیب نہیں کھاتا یہ دعویٰ کرے کہ وہ تقویٰ والا ہے، وہ مومن ہے، وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والا ہے، وہ صرف اور صرف اللہ ہی کی غلامی کرنے والا ہے تو پھر دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔
اگر وہ اس دعویٰ میں سچا ہے تو نعوذ باللہ، اللہ سبحان وتعالیٰ اور ان کا کلام جھوٹا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ جھوٹا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ اور اس کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حلال طیب کھائے بغیر ایسا ممکن ہے ہی نہیں، تو پھر ایسا انسان شیطان کے دھوکے میں آچکا ہے، شیطان نے اس کے اعمال اسے آراستہ کر دیکھائے ہیں۔ اس میں تقویٰ نہیں ہوگا وہ دنیاوی مال کے پیچھے بھاگے گا، وہ اللہ کی بجائے شیطان کی غلامی کر رہا ہوگا۔
یہاں تک الحمدللہ ہم پر خوراک کی اہمیت واضع ہو جانی چاہیے۔ بہر حال ہم آگے بڑھتے ہیں۔

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ .
البقرة ۱۷۲

اے وہ جو ایمان لائے ہو کھاؤ طیبات میں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم ہو صرف اور صرف اسی کی غلامی کرنے والے

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى. طه ۸۱

کھاؤ طیبات میں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں اور نہ بغاوت کرو اس میں پس حلال کیا تمہارے اوپر میرا غضب اور جس نے حلال کیا اس پر ہے میرا غضب پس تحقیق خواہشات۔

یعنی کہ اگر انسان خالص اللہ کے طیب رزق سے نہیں کھائے گا تو وہ اپنے اوپر اللہ کا غضب حلال کر لے گا۔ کیوں اللہ کا غضب اپنے اوپر حلال کرلے گا اس کا جواب بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے دے دیا۔ کہ اللہ کے غضب کے حلال ہونے کی وجہ خواہشات ہیں۔

کہ اگر انسان اللہ کے طیب رزق سے نہیں کھائے گا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی خواہشات کی اتباع کر بیٹھے گا جب اپنی خواہشات کی اتباع کرے گا تو اس کی خواہشات اس سے وہ اعمال کروائیں گی جن کی وجہ سے اللہ سبحان وتعالیٰ کا غضب حلال ہوتا ہے اور انسان اللہ کے عذاب کا شکار ہو کر اپنی دنیا وآخرت میں رسوائی وذلت کا سودا کرتا ہے۔

خواہشات کی اتباع کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کی وضاحت بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آیت میں کر دی۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ . المومنون ۷۱

اور اگر حق کی اتباع کرنا ان کی خواہشات ہوتیں تو فساد ہو جاتا آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے۔

کہ انسان اگر اپنی خواہشات کی اتباع کرے گا تو آسمانوں اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ سب میں خرابیاں ہوں گی جن کے نتیجے میں آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ زلزلے آئیں گے، طوفان آئیں گے، پورے کا پورا نظام ہی تباہ ہو جائے گا آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات کو تباہیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ ہے اللہ کے غضب کو اپنے اوپر حلال کرنا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ اگر انسان حلال طیب کھائے گا تو وہ اپنی خواہشات کی اتباع سے بچا رہے گا اور اللہ کی غلامی میں رہے گا لیکن

اگراس نے حلال طیب کھانے کی بجائے حرام وخبیث کھایا تو اس میں اپنی خواہشات کی اتباع کا مادہ پیدا ہوگا جس کا انجام بلکل واضع ہو گیا۔ بہر حال آگے مزید وضاحت آجائے گی۔ اس سے ہمیں جو سمجھ آتی ہے وہ یہ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو حلال طیب پر زور دیا اس کا مطلب ہے اللہ سبحان وتعالیٰ نے حلال طیب خوراک میں ایسے اجزاء رکھے ہیں جو انسان کو اللہ کی غلامی پر مجبور کردیتے ہیں۔ اور یہ صلاحیت وخصوصیات حلال طیب کے علاوہ میں نہیں ہیں۔ اُن میں ایسے اجزاء ہیں جن سے انسان میں اللہ کی نافرمانی اور اللہ سے بغاوت اور اس کے ساتھ شریک بننے کا مادہ موجود ہوتا ہے جو انسان کے جسم کا حصہ بن کر انسان کو اللہ کے ہر کام میں شریک ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔ کون سے ایسے اجزاء ہوتے ہیں ان کے وضاحت بھی ان شاء اللہ آگے آجائے گی۔

يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ. المومنون ۵۱

اے وہ جو بھیجے ہوئے ہو کھاؤ طیبات میں سے اور عمل کرو اصلاح کرنے والے، اس میں کچھ شک نہیں میں تم سے جو اعمال کروائے جاتے ہیں ان کی ساتھ علم رکھتا ہوں۔

رسولوں کو اللہ سبحان وتعالیٰ طیب کھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ کہ طیب کھاؤ اور اعمال کرو ایسے کہ جن سے اصلاح ہو جائے۔ آیت کا پہلا حصہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا درمیان میں ''وٗ'' کا استعمال ہو گیا۔ دوسرا حصہ پہلے سے مشروط ہو جاتا ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ طیب کھانے سے اصلاح کرنے والے اعمال مشروط ہیں اگر طیب نہیں کھائیں گے تو اصلاح کرنے والے اعمال کرنا ممکن ہی نہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ رسولوں کو حکم دے رہے ہیں۔ کہ رسول بھی اگر طیب کھائیں گے تو اصلاح کرنے والے اعمال کر پائیں گے ورنہ اگر رسول بھی طیب نہ کھائیں تو وہ چاہ کر بھی اصلاح کرنے والے اعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے تو رسولوں نے صرف اور صرف طیب ہی کھایا۔

مثال کے طور پر اگر ایسا زہر جس کے کھانے سے رسول کی وفات ہو جائے تو قطعاً یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول زہر بھی کھالے اور زہر اثر نہ کرے۔ زہر اثر کرے گا کیونکہ یہ قدر میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے لکھ دیا۔ جیسے زہر اثر کرتا ہے جو کہ منفی اثر ہے۔ اسی طرح کھانے پینے، حتیٰ کہ جو انسان سنتا ہے، دیکھتا ہے، بولتا ہے یا محسوس کرتا ہے اس کے بھی منفی یا مثبت اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے طیب خوراک میں ایسے اجزاء رکھ دیئے جن سے انسان میں ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے انسان اعمال صالح کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہو اگر اسے لوہے کے کسی بھی ٹکڑے کے قریب کریں تو وہ اس سے نہیں چپکے گا لیکن اگر آپ اس ٹکڑے کو کچھ دیر کسی مقناطیس کے ساتھ چپکا دیں اس کے بعد اس کو لوہے کے قریب کریں تو وہ لوہے سے چپک جائے گا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اس میں اس طرح وہ کشش پیدا ہو گئی۔ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے بغیر لوہا اس طرح چپکے۔

بلکل یہی مثال خوراک کی بھی ہے۔طیب میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسے اجزاءرکھے ہوئے ہیں جو جب انسان کے جسم کا حصہ بنتے ہیں تو انسان کے جسم میں ایسی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ طیب کو ہی پسند کرتا ہے اور خبیث سے نفرت یعنی اس سے دور بھاگتا ہے۔ یہ کیسے ہوتا ہے؟اگر آپ یہ مشاہدہ کریں یا کبھی زندگی میں اتفاق ہوا ہو۔کہ ایک کتا چنگاڑتا ہوا آپ کی طرف بڑھے مگر آپ کے دل میں خوف پیدا نہ ہو اور آپ اسی جگہ کھڑے رہیں تو کتا آپ سے کچھ فٹ کے فاصلے پر آ کر رک جائے گا آپ پر حملہ نہیں کرے گا۔اور اگر آپ بھاگنا شروع کر دیں تو کتا بھی آپکے پیچھے لگ جائے گا جب آپ کو احساس ہو کہ آپ بھاگ نہیں پائیں گے تو فوراً دل میں ایک بات پیدا ہوئی کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ایک دم رکے اور غصے سے کتے پر چلانا شروع کر دیا۔آپ کا یہ ردعمل دیکھ کر کتا فوراً رک جائے گا یا واپس بھاگ جائے گا۔

ایسا کیوں ہوا؟

دنیا کی ہر شئے سے مختلف روشنیاں یعنی شعاعیں نکلتی ہیں جن کو دیکھنے کی انسانی آنکھ میں اللہ نے صلاحیت نہیں رکھی۔اسی طرح ہر جاندار اور انسانوں کے جسم سے بھی یہ روشنیاں یعنی شعاعیں خارج ہوتی ہیں حتیٰ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے بھی۔ ہر ایک کی شعاعوں کی ایک حد ہوتی ہے۔ بہت سے جانور جو آپس میں گفتگو کرتے ہیں وہ انہیں شعاعوں کے ذریعے کرتے ہیں نہ کہ زبان سے۔

جب کتا آپ کی طرف دھاڑتا ہوا لپکا اور آپ کے دل میں خوف پیدا نہیں ہوا تو آپ کے جسم سے خارج ہونے والی شعاعوں میں یہ ساری معلومات موجود تھیں کہ آپ اس وقت کس کیفیت میں ہیں۔ جب کتا وہاں تک پہنچا کہ آپ کے جسم سے خارج ہونے والی شعاعوں سے کتے کے جسم سے خارج ہونے والی شعاعیں آپس میں ملیں تو آپ کی شعاعوں میں موجود معلومات کتے کے دماغ میں منتقل ہو گئیں اور کتے کو پتا چل گیا کہ آپ ڈر نہیں رہے جس سے کتے کے دماغ میں ردعمل پیدا ہوا کہ یہ کوئی اس سے طاقتور شئے ہے۔ کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کتے کی ذات میں یہ رکھ دیا کہ جو بھی تم سے نہ ڈرے اس کے قریب مت جانا ورنہ تمہیں نقصان پہنچائے گا۔

آپ یہ کہیں بھی آزما سکتے ہیں حتیٰ کہ جنگل میں شیر کے سامنے بھی آپ یہ آزما سکتے ہیں۔لیکن اگر آپ کے دل میں ذرا بھر بھی خوف پیدا ہو گیا تو وہ آپ پر حملہ کر سکتا ہے۔ یا پھر اگر وہ اتنا قریب ہو کہ اسے یہ خوف لاحق ہو جائے کہ اس کی جان کو آپ سے خطرہ ہے تو وہ خوف سے بھی آپ پر حملہ کر سکتا ہے بلکل ایسے ہی جیسے آپ کتے کے آگے بھاگتے ہوئے ایک دم رک گئے کہ جو ہوا دیکھا جائے گا۔

پھر اسی طرح اگر آپ نے محسوس کیا ہو کہ کچھ لوگ جب سامنے قریب آتے ہیں تو اچھا محسوس ہوتا ہے لیکن کچھ لوگ جنہیں ہم جانتے بھی نہیں ہوتے اگر سامنے آئیں یعنی آپ کسی کمرے میں موجود ہوں تو وہاں کوئی شخص داخل ہوتا ہے تو آپ کو اچھا محسوس نہیں ہوتا۔اس شخص سے نفرت سی ہو گی۔وہ جسم سے خارج ہونے والی انہیں لہروں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب دونوں کی لہریں آپس میں ٹکراتی ہیں تو معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے اس کے مطابق دل و دماغ پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

بلکل ایسے ہی اللہ سبحان وتعالیٰ نے خوراک میں بھی ایسے اجزاء رکھے ہیں جس کے انسانی جسم پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پھر ایسا انسان جس کا جسم مکمل طیب ہو وہ خبیث کو ایسے ہی ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں گرنے کو۔ پھر آپ کی باتیں، سوچیں، فکریں، پسند، ناپسند سب کچھ طیب ہوگا ورنہ سب کچھ خبیث ہوگا۔ آپ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دور شیطان کے ساتھیوں میں سے رہیں گے۔ آپ کی گفتگو بے مقصد ہوگی آپ کی سوچیں، فکریں، پسند، ناپسند سب سے مادہ پرستی اور دنیاوی لالچ جھلکے گا۔ آپ میں غرور، تکبر، انا پرستی وغیرہ بھر جائے گی۔ مزید تفصیلات ان شاءاللہ آگے آئیں گی۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ . المائدہ ۴

سوال کرتے ہیں تجھ سے کیا حلال کیا گیا ان کے لیے، کہو حلال کیا گیا تمہارے لیے طیبات کو،

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ. المائدہ ۵

اس یوم تمہارے لیے حلال کر دیا طیبات کو

وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ . الاعراف ۱۵۷

اور حلال کر دیا تمہارے لیے طیبات اور حرام کر دیا تمہارے اوپر خبائث کو

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ج وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ؕ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ . الاعراف ۵۸

اور طیب بلد نکالتا ہے جو وہ اگاتا ہے اپنے رب کے اذن سے اور جو خبیث ہے نہیں نکالتا مگر بلکل ناقص، اس طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اپنی نشانیوں کو شکر کرنے والی قوم کے لیے

وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ . الانفال ۲۶

اور یاد کرو جب تم تھے بہت تھوڑے، بہت کمزور سمجھے جاتے تھے ارض میں، خوف رہتا تھا کہ لوگ تمہیں مٹا نہ دیں پس تمہیں جگہ دی اور قوت دی تمہیں اس کی نصرت کیساتھ اور تمہیں رزق طیبات سے تا کہ تم شکر کرو

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ. ابراهیم ۲۴

کیا نہیں دیکھا تم نے بیان کرتا ہے اللہ مثال کلمہ طیبہ کی جیسے شجرہ طیبہ، جڑیں اس کی زمین میں گہرائی تک مضبوطی سے ہیں کہ ڈٹا ہوا ہے اور شاخیں اس کی بلندی میں۔

تُؤْتِىٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ.

ابراهیم ۲۵

دیتا ہے پھل تمام مدت اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے اللہ تمام مثالوں کو لوگوں کے لیے تا کہ ان کے لیے اس سے یاددہانی ہو

ان آخری دو آیات کا سورۃ ابراہیم میں بیان کیا جانا نہ صرف غور وفکر کی دعوت دیتا ہے بلکہ ان میں ایسے راز چھپے ہیں اگر انسان انہیں جان لے تو وہ اپنی نسلوں کو بھی شیطان کے خطوات سے بچا کر ان کی آخرت سنوار سکتا ہے الا یہ کہ جو بعد میں فطرت سے ہٹ کا گمراہی کا سودا کر لے۔

ان آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ کلمہ طیبہ کی مثال بیان کرتے ہیں کہ اس کی مثال طیب درخت کی سی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہرائی تک مضبوطی سے پھیلی ہوتی ہیں کوئی آندھی، طوفان اس کا کچھ بگاڑ نہیں پاتا وہ اپنی جگہ پر ثابت رہتا ہے۔ آندھیاں طوفان گذر جاتے ہیں لیکن وہ اپنی جگہ پر شان وشوکت سے قائم رہتا ہے۔ پھر اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور وہ ہر لمحہ پھل لاتا ہے اپنے رب کے حکم سے یعنی اس کے پھل میں اللہ کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوتا۔ پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے تا کہ ان کی یاددہانی ہو۔

سب سے پہلی بات جو ذہن میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی اس مثال کو بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟

مقصد تو ان شاء اللہ آگے چل کر واضح ہو جائے گا لیکن جو بات علم میں ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس مثال کے پیچھے ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یعنی اس مثال کا اصل ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا اس مثال کے ذریعے ذکر کیا گیا اس لیے تاکہ انسانوں کو علم ہو جائے کہ ابراہیم علیہ السلام میں وہ ثابت قدمی کیسے تھی۔ کیسے وہ رائی برابر بھی اللہ سبحان وتعالیٰ کیساتھ شرک نہیں کرتے تھے۔ کس طرح وہ آگ میں کودنے کو بھی تیار تھے حالانکہ علم تھا کہ آگ جلا دیتی ہے وہ کون سی شئے تھی جس نے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر بھی راضی کر لیا۔ وہ کون سی شئے تھی جس نے اپنے نوجوان بیٹے کو بھی ذبح کرنے پر راضی کر لیا۔ وہ کون سی شئے تھی جس نے اپنی نوجوان بیوی اور معصوم لخت جگر کو ویرانوں میں چھوڑنے پر راضی کر لیا۔ وہ کون سی شئے تھی یا وہ کون سے عوامل تھے، وہ کون سی وجوہات تھیں یا وہ کون سی قوت تھی جن کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کے کبھی بھی قدم نہ ڈگمگائے اور صرف اپنے رب اللہ سبحان وتعالیٰ پر توکل کیا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کی اس مثال میں وہ راز چھپے ہیں۔ اس مثال کو بیان کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ دیکھو یہ وہ وجوہات تھیں، یہ وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے وہ ہر لمحہ اپنے رب کی پرواہ کرنے والے تھے۔ تاکہ تم بھی جان کر بلکل ویسے ہی بن جاو۔ اور ثابت کرو کہ تم اسی ملت ابراہیم کے پیروکار ہو پھر تم پر بھی آگ ٹھنڈی کردی جائے گی۔ خواہ ساری دنیا تمہاری دشمن ہو جائے تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کی حفاظت اور رزق کی ذمہ داری ہمارے ذمہ ہوگی۔

کلمہ طیبہ وہ شئے تھی جس سے ابراہیم علیہ السلام وجود میں آئے، شجرہ طیبہ ابراہیم علیہ السلام تھے، جڑیں زمین کی گہرائی تک مضبوطی سے ہونا جس کی وجہ سے ثابت رہنا کسی طوفان کا نقصان نہ پہنچانا یہ ابراہیم علیہ السلام کی ثابت قدمی تھی۔ شاخیں آسمان میں ہونا مطلب یہ ابراہیم علیہ السلام کا اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ تعلق تھا۔ ہر لمحے پھل لانا صرف اپنے رب کے حکم سے تو یہ ابراہیم علیہ السلام کا لمحہ بہ لمحہ اعمال تھے جو صرف اپنے رب کے حکم کے مطابق ہوتے تھے ان میں اور کوئی شریک نہ تھا رائی برابر بھی کسی اور کی نہ مانتے تھے۔ پھر جس نطفے سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے وہ کلمہ طیبہ تھا پھر اس سے جو درخت وجود میں آیا یعنی وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ طیب تھے پھر اس درخت کا اپنے رب کے حکم سے پھل دینا یہ پھل ان کی اولاد تھی۔

ان شاء اللہ سبحان وتعالیٰ ہم اب اسے کھول کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم بھی وہ حاصل کر سکیں جو ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا۔

کلمہ۔ اس لفظ کو سمجھنے سے پہلے عربی کے حوالے سے ایک بنیادی بات جو ہمارے لیے سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ بہت ہی وسعت اور گہرائیاں رکھتی ہے۔ عربی کے اصولوں کو سامنے رکھے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کی مثال اللہ کی کسی بھی مخلوق کی سی ہے مثلاً جیسے ایک انسان کے نطفے سے اس کی اولاد اور اسی سے آگے نسل چلتی ہے۔ نطفہ اس اس کی اولاد اور نسل کا مادہ کہلائے گا۔ جو خصوصیات اس نطفے میں موجود ڈی این اے میں ہوں گے وہی

خصوصیات اس نطفے سے وجود میں آنے والی اولادیں پائی جائیں گے۔ یا کسی بھی درخت کی مثال لے لیجئے کہ درخت اگانے کے لیے اس کے بیج کی ضرورت ہوتی ہے بیج میں وہ تمام معلومات ہوتی ہیں جو اس سے وجود میں آنے والے درخت میں پائی جائیں گی۔ یعنی جو خصوصیات وخامیاں مادے میں موجود ہوتی ہیں اس مادے سے وجود میں آنے والی خلق میں ان کی تاثیر منتقل ہوتی ہے۔ اور یہی مثال عربی کی ہے۔ عربی کا ہر لفظ کسی نہ کسی مادے سے وجود میں آتا ہے۔ جو خصوصیات مادے میں پائی جاتی ہیں وہ خصوصیات اس مادے سے وجود میں آنے والے لفظ میں بھی منتقل ہو جاتی ہیں۔

مثلاً ان الفاظ کو ہی لے لیں ''صلاۃ، صلی، اصلاح، صلح، صالحات، صالح'' ان تمام الفاظ کا مادہ ایک ہی ہے ''ص ل، صل''، جس کے معنی ہیں ہر شئے کو اس کے مقام پر رکھنا یا رہنے دینا جس سے اس شئے میں موجود خامی، نقص، خرابی یا تبدیلی وغیرہ دور ہو جائے۔

اب اگر لفظ اصلاح کو بیان کیا جائے گا تو اس لفظ میں اس کے مادے کے معنی پہلے ہی موجود ہوں گے۔ اصلاح کہتے ہیں ٹھیک کر دینا یعنی اصلاح اس کی کی جائے گی جس میں فساد ہوگا یعنی خرابیاں ہوں گی۔ ان خرابیوں کا دور کر دینا اصلاح کہلاتا ہے اور خرابی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ کسی بھی شئے میں کوئی خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جس اس میں کوئی پرزہ یا حصہ وغیرہ کسی بھی صورت اپنے مقام سے ہٹ جائے۔ دوبارہ اس پرزے یا حصے کو اس کے مقام پر لانا جس سے شئے میں موجود خرابی دور ہو جائے گی اصلاح کہلاتا ہے۔

اسی طرح عربی کے کچھ مزید اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے جو کہ ذہن نشین ہونا بہت ضروری ہے۔

مثلاً لفظ ''ابصار'' کو لے لیں اس کا ترجمہ آنکھ سے دیکھنے کی صلاحیت کیا جاتا ہے اور جب ترجمہ آنکھ سے دیکھنے کی صلاحیت کر دیا تو پھر جہاں بھی یہ ترجمہ بیان ہوگا تو فوراً ذہن میں جو بات آئے گی یا انسان جو سمجھے گا وہ یہی کہ دیکھنے کی صلاحیت آنکھ کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے اس سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے اور اگر آنکھ نہیں تو دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر صرف یہ لفظ صرف انہیں مخلوقات کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور آنکھیں تو مادے سے بنی مخلوقات کی ہیں تو پھر جو مخلوقات مادے کی بجائے نور اور آگ سے بنی ہیں یا پھر مادے سے ہی بنی لاتعداد مخلوقات ایسی ہیں جن کی ہماری طرح آنکھیں نہیں ہیں کیا ان میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں؟ کیونکہ ان کی تو ایسی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ حالانکہ مادے کی بنی ہوئی بہت سے مخلوقات کی آنکھیں نہیں ہیں تو کیا اس سے مراد یہ لیا جائے گا کہ وہ مخلوقات دیکھ نہیں سکتیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عربی دنیا کی واحد زبان ہے جو اپنے اندر تمام کیفیات کو سموئے ہوئے ہے۔ اس پر وقت اپلائی نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک لفظ ہے جہاز یہ اردو کا لفظ ہے اگر آج سے چند صدیاں پیچھے چلے جائیں تو جب جہاز کا وجود نہیں تھا تو اس لفظ کا وجود بھی نہیں تھا اور جب جہاز کی جگہ کوئی اور شئے لے لے اور جہاز دوبارہ ناپید ہو جائے تو یہ لفظ بے کار ہو جائے گا یہ لفظ بھی اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔ دنیا کی تمام زبانوں کی مثال ایسے ہی ہے لیکن عربی سب سے مختلف ہے اور اس خامی سے پاک ہے۔ حالانکہ دنیا کی تمام زبانوں میں کچھ نہ کچھ ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن میں عربی کی خصوصیت موجود ہے لیکن وہ بہت کم ہیں۔ اور دنیا کی

تمام زبانوں میں موجود ان الفاظ کے مجموعے سے عربی وجود میں آئی۔

عربی دنیا کی واحد زبان ہے جو بلکل اللہ سبحان وتعالیٰ کی مخلوقات کے مشابہ ہے۔مثلاً جیسے ایک درخت اگانے کے لیے بیج کی ضرورت ہوتی ہے جیسا بیج ہوگا اس میں سے انہیں حصوصیات کا حامل درخت نکلے گا۔بیج درخت کا مادہ ہوتا ہے جو بیج یعنی مادے میں موجود ہوتا ہے اسی کی تاثیر اس سے نکلنے والی شئے میں بھی ہائی جاتی ہے۔بلکل اسی طرح عربی کا ہر لفظ بھی کسی نہ کسی بیج سے وجود میں آتا ہے جسے مادہ کہا جاتا ہے۔اور اس مادے سے وجود میں آنے والے الفاظ میں مادے کی تاثیر موجود ہوتی ہے۔

مثلاً ایک لفظ ینفقون ہی کو سمجھ لیجئے جس کے معنی خرچ کرنا ہے۔ینفقون کا مادہ ''ن ف ق'' ہے یعنی نفق۔نفق عربی میں چوہے کے بل کو کہتے ہیں۔کہ جب آپ کسی چوہے کو اپنے بل میں داخل ہوتا ہوا دیکھیں تو جس سوراخ میں وہ داخل ہوا محض صرف وہی اس کا بل نہیں۔بلکہ آپ اس سوراخ سے کھدائی شروع کردیں جیسے جیسے آپ کھدائی کرتے جائیں گے آپ حیران رہ جائیں گے کہ چوہے نے کتنی وسیع زمین کو چھلنی کیا ہوا ہے اور درجنوں سوراخ ہیں جو ادھر اُدھر نکل رہے ہیں۔لیکن جب چوہا داخل ہوا تو صرف ایک ہی سوراخ نظر آیا۔یہ ہے نفق اور اسی سے ینفقون بنا۔اسی سے نفاق،اسی سے منافق۔

ینفقون یعنی چوہے کے بل کی طرح خرچ کرنا۔کھلے دل سے اور انتہائی پوشیدہ طور پر کہ دیکھنے والوں کو صرف اتنا علم ہو کہ فلاں کے پاس مال ہے مگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ کس کس کو کتنا کتنا دیتا ہے۔

عربی کا لفظ ''ابصار'' کسی بھی کیفیت اور کسی بھی مخلوق کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔انسان یا مادے سے بنی مخلوقات دیکھنے کے لیے آنکھ جیسے عضوء کی محتاج ہیں لیکن باقی کا معاملہ ایسا نہیں۔نور سے بنی مخلوقات میں دیکھنے کی کیفیت مختلف ہے ان کے لیے ہمارے جیسی آنکھوں کا ہونا ضروری نہیں۔کیونکہ یہ دیکھنا تو محض ادراک ہے اور ادراک کی نوعیت ہر کسی کی مختلف ہوتی ہے۔جیسے آواز کو لے لیجئے آواز محض ادراک ہے حقیقت اس کے پیچھے کچھ اور ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آواز کا تو سرے سے وجود ہی نہیں یہ تو محض ہمارے دماغ کی پیداوار اور دماغ کے اندر تک ہی محدود ہے دماغ سے باہر بیرونی دنیا میں آواز کا وجود ہے ہی نہیں۔آواز کا اصل لہریں ہیں ہم ان لہروں کا ادراک آواز کی صورت میں کرتے ہیں۔یہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس لیے کیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نہیں چاہتے کہ ہم لہروں کو جانیں کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں۔وہ اپنے کام میں مشغول ہیں اور اگر لہروں کو انسان کی پہنچ میں دے دیا جائے تو پھر یہ ان میں چھیڑ چھاڑ کرے گا۔اب یہ ہے کہ کچھ لہریں جن کا انسان سے تعلق ضروری ہے یعنی ان کے بغیر انسان کا وجود نامکمل ہے تو صرف ان لہروں تک رسائی دے دی لیکن ان کی حقیقت کو چھپا دیا انسان سے۔انسان کو ایک آلہ لگا دیا جسے کان کہتے ہیں کان میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے محدود صلاحیت رکھی کہ وہ صرف ایک ہی قسم کی لہروں کی محدود حد تک کا ادراک کر سکتا ہے باقی اس کے لیے غیب کی اہمیت رکھتی ہیں۔لہروں کی وہ ایک قسم جب ہمارے کان میں داخل ہو کر اپنی صورت تبدیل کر کے دماغ میں متعلقہ حصے تک پہنچتی ہے تو دماغ کا متعلقہ حصہ ان کا ادراک جس صورت میں کرتا ہے ہم اسے آواز کے نام سے جانتے ہیں۔

اب جب عربی کے جس لفظ کا ترجمہ آواز کیا جاتا ہے اگر وہ لفظ انسان کے لیے استعمال ہوگا تو اس کے معنی میں صرف لہروں کی ایک قسم کا ادراک مراد ہوگا لیکن یہی اگر کسی ایسی مخلوق کے لیے استعمال ہوگا جس میں ایک سے زائد لہروں کے ادراک کی صلاحیت رکھی گئی تو وہ مخلوق جتنی قسم کی لہروں کا ادراک کرتی ہے یہ لفظ ان سب کا احاطہ کرے گا۔ اب ادراک کی کیفیت ضروری نہیں سب کی ایک ہی ہو یعنی اگر انسان آواز کی صورت میں ادراک کرتا ہے تو باقی بھی آواز کی صورت میں اس کا ادراک کریں ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے ادراک کی کیفیت ان کی تخلیق کے اعتبار سے ہوگی۔ جیسے سانپ کے کان نہیں ہوتے لیکن اس میں بھی ان لہروں کے ادراک کی صلاحیت موجود ہے لیکن ہماری طرح نہیں۔ سانپ کی کھال میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ جب لہریں اس کی کھال پر آ کر ٹکراتی ہیں تو کھال میں نصب آلات ان لہروں کی صورت تبدیل کر کے انہیں سانپ کے دماغ میں منتقل کرتے ہیں اور دماغ ان لہروں کا ادراک کرتا ہے اب ضروری نہیں کہ وہ ادراک آواز کی صورت میں ہو۔ اصل مقصود ان لہروں میں موجود پیغام سے آگاہی ہے۔ سانپ کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے کان نہیں لگائے تو اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ سانپ ہم سے کم یا ہم سے زیادہ اقسام کی لہروں کے ادراک کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اسی طرح عربی کے لفظ عین کا ترجمہ آنکھ کیا جاتا ہے آنکھ سے مراد یہی ہے جو ہماری یا کسی جاندار کی آنکھ ہوتی ہے لیکن عربی میں اس کا اصل معنی یہ نہیں ہے۔ اگر عربی میں یہ لفظ انسان کے لیے استعمال ہوگا تو اس سے مراد انسان کی آنکھ ہوگی لیکن اگر یہی لفظ نوری سے بنی مخلوقات یا ایسی مخلوقات کے لیے استعمال ہو جن کی اس طرح آنکھ نہیں ہوتی تو وہاں اس مخلوق میں دیکھنے والا آلہ مراد لیا جائے گا اب آلے سے مراد یہ نہیں کہ وہ بھی مادے سے بنا ہوا ہونا لازمی ہے نہیں بلکہ وہاں اس کی نوعیت بھی اپنے اعتبار سے مختلف ہوگی۔
آنکھ کا اصل مقصد بھی ادراک ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں جو آنکھ لگائی یہ محدود حد تک کے رنگوں کا ادراک کرسکتی ہے اور جو ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ اس شئے کی حقیقت بھی وہی ہو بلکل ایسے ہی جیسے آواز صرف ہمارے دماغ کی پیداوار ہے ہمارے دماغ سے باہر اس کا وجود تو ہے لیکن آواز کی بجائے لہروں کی صورت میں۔ بلکل اسی طرح ہم جو دیکھ رہے ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ ہم کسی شئے کا اصل یعنی اس کی حقیقت دیکھ رہے ہیں وہ محض ہمارا ادراک ہوتا ہے۔ اس ادراک کے پیچھے اس شئے کی اصل حقیقت ہم سے پوشیدہ ہے۔
اب اگر ایک ایسی مخلوق جس کی ضرورت انسان سے زائد مخلوقات کا ادراک ہے تو اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی علم ہے کہ اس مخلوق کو ان کا ادراک کس صورت میں کروانا ہے۔ اسی کے مطابق اسے ادراک کی قوت عطا کریں گے جیسے ہمیں آنکھ کی صورت میں ادراک کی قوت عطا کی۔ تو ادارک کی قوت کو ہم آنکھ کہتے ہیں جسے عربی میں عین کہا گیا۔ اور جو دوسری مخلوق جس میں ادراک کی صلاحیت الگ ہے اس میں ادراک کی قوت عین کہلائے گی جسے ہم آنکھ کہتے ہیں۔
امید ہے عربی کے بارے میں یہ کچھ باتیں ذہن میں رہیں گی میری کوشش ہے کہ میں عربی کو سمجھنے کے لیے کسی ایک کتابچے کو تشکیل دوں اور اگر اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں ایسا لکھا ہے تو ضرور تحریر ہوگا۔

کلمہ۔ اگر مختصر سے مختصراس کا معنی لیا جائے تو قریب ترین جو اس کا معنی بنتا وہ ہے فارمولا یا اردو میں کلیہ کہلاتا ہے۔ بہر حال اس کا ترجمہ کرنا تو تقریباً نا ممکن ہے کیونکہ یہ لفظ جس کیفیت میں یا جس کے لیے استعمال ہو گا معنی بھی اسی کیفیت میں ڈھل جائیں گے۔ اس میں بہت گہرائی ہے۔ مثلاً اگر اسکا استعمال ہوتا ہے کسی مادہ شئے کے لیے تو اس کے معنی ہیں کیمسٹری کا فارمولا، کلیہ۔

جیسے ہائیڈروجن کے دو عنصر اور آکسیجن کا ایک عنصر ملے تو پانی بن جاتا ہے۔ دو یا دو سے زائد مخلوقات کا آپس میں ملاپ سے ایک تیسری کا وجود میں آجانا۔ یہ عربی میں کلمات کہلاتے ہیں یہ تو ہو گیا مادے کی حد تک اب اگر ان دو یا دو سے زائد مخلوقات کے پیچھے جو عمل ہو گا جس کی وجہ سے ان کا ملاپ ہو کر ایک تیسری شئے وجود میں آئی وہ کلمہ کہلائے گا۔ مثلاً دو یا دو سے زائد مخلوقات کے ملاپ کے پیچھے کون سے عوامل ہوتے ہیں جو ان کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں وہ انگلش میں وائبریشن اور اردو میں تھرتھراہٹ کہلاتی ہے۔ وہ کلمہ کہلائے گا اب اگر اس سے بھی پیچھے جانا ممکن ہو تو پیچھے جو عمل ہو گا وہ کلمہ کہلائے گا۔ اور جہاں اس کا اول عمل ہو یعنی جہاں سے جاری ہو رہا ہو تو وہ خالق کہلائے گا۔ اس کے کلمات کہلائیں گے۔ مثلاً نوری مخلوقات کے لیے کیمسٹری کا فارمولا کلمہ نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ اس سے ماورا ہیں۔ لیکن مادے سے بنی مخلوقات کے لیے جس حد تک جس مخلوق کی رسائی ہوگی وہ اس کے لیے کلمہ کہلائے گا۔ ایک انسان جس کے پاس علم نہیں یا جس کے علم کی حد دو یا دو سے زائد مخلوقات کے ملاپ تک محدود ہوگی اس کے لیے وہ حد ہی کلمہ کہلائے گی لیکن جس کا علم اس پیچھے چھپے علم تک ہوگا اس کے لیے وہ کلمہ کہلائے گا۔ بہر حال کوشش کی کہ کلمے کو آسان الفاظ میں سمجھا جا سکے۔

ایک درخت کا کلمہ اس کا بیج ہوتا ہے لیکن یہ تب تک تھا جب تک انسان کی رسائی صرف درخت کے پیچھے سے پیچھے پہلے عمل یعنی بیج تک تھی لیکن آج جب انسان کے پاس بیج سے بھی پیچھے اس کے اندر موجود ڈی این اے کے علم تک رسائی ہوگئی تو وہ ڈی این اے کلمہ کہلائے گا۔ جیسا کلمہ یعنی بیج یا ڈی این اے ہوگا ویسا درخت نکلے گا۔ یعنی اگر وہ بیج طیب ہوگا اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ، تبدیلی، کمی یا کجی وغیرہ نہیں ہوگی مکمل فطرت پر ہوگا تو اس سے نکلنے والے درخت میں بھی وہ خصوصیات موجود ہوں گی۔ اور اگر بیج کے ڈی این اے سے دوبارہ پیدا کرنے کی صلاحیت نکال دی جائے گی تو وہ طیب نہیں رہے گا یا جو بھی اس میں تبدیلی کی جائے گی اسی طرح کا درخت نکلے گا۔ پھر اس درخت پر لگنے والے پھل میں یہ خصوصیت نہیں ہوگی کہ وہ دوبارہ بیج کا کام دے سکے۔ اس لیے جیسا کلمہ ہوگا ویسا ہی اس سے درخت نکلے گا۔ انسان کا کلمہ کیا ہے انسان کا کلمہ مرد کا نطفہ کہلاتا ہے یا آج جب ڈی این اے تک رسائی ہوگئی تو آج ہمارے علم کے اعتبار سے کلمہ ڈی این اے کو کہا جائے گا لیکن ڈی این اے براہ راست نہیں بلکہ نطفے کی صورت میں جو انسان کے اختیار میں ہے یہ انسان کے لیے کلمہ کہلائے گا۔ جو خصوصیات اور خامیاں اس نطفے میں موجود ہوں گی ویسا ہی بچہ بنے گا۔ یعنی اگر نطفے میں آنکھ بنانے کے جینز موجود نہیں ہوں گے تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ آنکھ سے محروم پیدا ہوگا۔ اسی طرح جو بھی خامیاں یا خصوصیات اس نطفے میں موجود ہوں گی بچہ بھی ویسا ہی بنے گا۔

نطفے میں سب سے بنیادی کردار خوراک کا ہوتا ہے جیسی خوراک آپ کھائیں گے ویسی ہی خصوصیات کا حامل نطفہ اور پھر اس نطفے سے ویسا

ہی بچہ پیدا ہوگا۔ مثلاً اگر ایک انسان کی نیت خالص ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کا ہر حکم مانے لیکن وہ ایسی جگہ رہتا ہے جہاں خوراک طیب نہیں تو جیسی خوراک ہوگی ویسا ہی نطفہ اور ویسا ہی بچہ پیدا ہوگا۔ اور انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ کس خوراک سے نطفہ بنے اور کس سے نہ بنے۔ اسے بلکل علم نہیں ہوتا کہ کون سی خوراک کتنا اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس لیے ۹۹ فیصد نطفہ طیب خوراک کھانے سے بنا لیکن ایک فیصد غیر طیب سے بن گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک فیصد ۹۹ فیصد پر غالب آ جائے۔ اس لیے کہ وہ ایک فیصد بنیاد کا کردار ادا کرنے والا ہوسکتا ہے۔ یہ ایسا راز ہے اس کو گہرائی سے جان لینے کے بعد انسان بہت حد تک اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ یہ اختیار انسان کے پاس ہوتا ہے۔ اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والدین کافر ہوں لیکن بچہ مومن ہو تو یہ اس طرح ہوتا ہے کہ جس نطفے سے وہ بچہ وجود میں آیا وہ نطفے جب بنا تو والدین کس کیفیت میں تھے ان کی خوراک کیا تھی۔ ہوسکتا ہے وہ اس دوران کسی ایسی جگہ پر ہوں جہاں کھانا پینا طیب تھا۔ کسی کی طرف مہمان گئے۔ کہیں ایسی قید میں ڈال دیئے گئے جہاں سب کچھ طیب تھا۔ اس طرح کا کوئی بھی عمل پیچھے ہوسکتا ہے۔

اب جب بچہ وجود میں آ جائے خواہ وہ غیر طیب نطفے سے پیدا ہوا ہو تو اب ضروری نہیں کہ وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا بلکہ جب آپ بالغ ہو گئے تو آپ کے پاس اختیار ہے۔ اگر آپ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے فطرت پر زندگی گزارتے ہیں۔ تو آپ کا جسم محض صرف چالیس دن میں کھال سمیت طیب بن جائے گا اور جب تک آپ فطرت پر رہیں گے آپ مومن رہیں گے لیکن جب بھی آپ خبیث کو اپنے جسم کا حصہ بنائیں گے تو خبیث آپ کے جسم پر اثرات مرتب کرے گا اور آپ کے اعمال کے ذریعے ان اثرات کا اظہار ہوگا۔

بیج آپ کے اختیار میں ہے کہ آپ کیسا تیار کرتے ہیں۔ ویسا ہی درخت نکلے گا۔ بعد میں درخت میں تبدیلیاں کرنا ممکن ہے لیکن جو شئے بیج میں موجود ہی نہیں تھی جس کی وجہ سے درخت اس صفت سے محروم ہوگا تو اس صفت کو درخت میں لانا ناممکن ہوگا۔ اس لیے سب سے پہلی کوشش یہ ہو کہ اپنی آنے والی نسل کے لیے فکر ہونی چاہیے۔ آپ کی وجہ سے جو خامی ان میں پیدا ہوگی روز محشر آپ ہی کو اس کا جواب دینا پڑے گا۔

واپس اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ. ابراھیم ۲۴

کیا نہیں دیکھا تم نے بیان کرتا ہے اللہ مثال کلمہ طیبہ کی جیسے شجرہ طیبہ، جڑیں اس کی زمین میں گہرائی تک مضبوطی سے ہیں کہ ڈٹا ہوا ہے اور شاخیں اس کی بلندی میں۔

تُؤْتِیْ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ.

ابراھیم ۲۵

دیتا ہے پھل تمام مدت اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے اللہ تمام مثالوں کو لوگوں کے لیے تا کہ ان کے لیے اس سے یاد دہانی ہو

ان آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کلمہ طیبہ کہا ہے یعنی جس نطفے سے وہ وجود میں آئے وہ نطفہ طیب تھا۔ اور یہاں ایک اور بات جو بہت ضروری ہے وہ یہ کہ نہ صرف وہ نطفہ طیب تھا بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات بہت عجیب ہوگی کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے والدین کو مومن کہہ رہا ہوں حالانکہ ہم تو بچپن سے یہی سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک تھے۔

پورے قرآن میں یا کہیں بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ ابراہیم اعلیہ السلام کے والد مشرک تھے لیکن ہم نے جو عقائد اخذ کر لیے ان کی وجہ ہی یہی ہے کہ ہم نے اپنے دماغ کو استعمال کرنے کی بجائے جو ہم پر پیش کیا گیا اسے من عن بغیر تحقیق وتصدیق کے تسلیم کرلیا۔ یا پھر ایسے تراجم کیے گئے جن میں ابراہیم علیہ السلام کے والدین کو مشرک قرار دے دیا گیا۔ سبحان اللہ۔

حقیقت کیا ہے قرآن میں جس کو مشرک کہا جا رہا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ ''اب'' یعنی ابا تھے۔ ابا حقیقی باپ کو بھی کہا جاتا ہے اور اسے بھی جس نے بچے کو پالا ہو یا چچا، تایا، دادو کے علاوہ آبا و اجداد وغیرہ میں سے کسی کو بھی ''اب'' کہا جا سکتا ہے۔ اس کی قرآن میں کئی مثالیں موجود ہیں جیسے۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا . البقرة ۳۳

کہا انہوں نے ہم غلامی کرتے ہیں تیرے الٰہ کی اور تیرے اباء ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کا واحد الٰہ۔

یہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام سے کہتے ہیں اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کو بھی ابا کہا انہوں نے یعقوب علیہ السلام کا۔ جو کہ دادا تھے یعقوب علیہ السلام کے اور اسی طرح اسماعیل علیہ السلام کو بھی ابا کہا اور اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

حقیقی والدین جنہوں نے جنم دیا ان کے لیے عربی میں لفظ ''ولد'' استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں آذر کے حوالے سے کہیں بھی لفظ ''ولد'' استعمال نہیں ہوا جس کا مطلب ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا جنم دینے والا باپ نہیں تھا بلکہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو پالا ہوا تھا۔ جو خود نہ صرف مشرک بلکہ بت بھی تراشتا تھا۔ قرآن میں مختلف پہلوؤں سے غور وفکر کرنے سے جو بات واضع ہوتی ہے وہ یہ کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا دادا تو بلکل نہیں ہو سکتا البتہ چچا ہونے کے نہ صرف قوی امکانات ہیں بلکہ قرآن سے بہت سے ایسے دلائل بھی ملتے ہیں جن سے

یہ ثابت ہوتا ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ج فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ . التوبہ ۱۱۴

اور نہیں تھا ابراہیم علیہ السلام استغفار کرتے اپنے ابا کے لیے مگر اس کی وجہ وعدہ تھا اور وہ وعدہ اس سے تھا، پس جب کھل کر واضع ہو گیا ان کے لیے کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے برائت کی۔ اس میں کچھ شک نہیں ابراہیم علیہ السلام دل میں جگہ والے حلیم تھے۔

اس آیت سے واضع ہو جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کیوں آذر کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تھے یعنی آذر سے انہوں نے وعدہ کیا تھا جس کا ذکر سورۃ مریم کی اس آیت میں ہے

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ . مریم ۴۷

طلب کروں گا تیرے لیے غفر اپنے رب سے

اور پھر جب ان پر یہ واضع کر دیا گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے برائت کر دی۔ اور یہ تب کا واقعہ ہے جب ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ جوانی میں تھے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ . ابراھیم ۴۱

اے ہمارے رب غفر کر مجھے اور میرے والدین کو اور مومنین کو قائم ہونے والے حساب کے یوب

اب اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہے ہیں اور جو غور کرنے کی باتیں ہیں ان میں ایک تو یہ کہ اس آیت میں لفظ " وَلِوَالِدَيَّ " ہے جس کے معنی ہیں اور جنہوں نے مجھے جنم دیا۔ اور دوسرا یہ دعا بیت اللہ یعنی کعبہ کی تعمیر کے وقت کی ہے جب ابراہیم علیہ السلام دو بیٹوں کے والد تھے۔ لیکن اس کے برعکس جب آذر کے لیے دعا کا ذکر آیا تو وہاں "ولدا" کی بجائے لفظ "ابیہ" کا استعمال ہوا جس کے معنی ہیں اس کا ابا۔ جس کے لیے حقیقی باپ کا ہونا لازمی نہیں۔ اس کے علاوہ جو پیچھے آیات میں اللہ سبحان وتعالیٰ مثال بیان کر رہے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نعوذ باللہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین مشرک تھے تو یہ آیات ہی بے بنیاد ہو جاتی ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ کی ان مثالوں والی آیات سے بلکل واضع ہو جاتا ہے نہ کہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے بلکہ تمام انبیاء

کے والدین مومن تھے۔ بہر حال قرآن سے اوپر بیان کردہ دلائل بہت زیادہ قوی، مضبوط اور واضع ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد کا نام تارح علیہ السلام تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے اور جس نطفے سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ طیب تھا یعنی وہ کلمہ طیبہ تھا اور اس کے بعد یہ بھی نہیں کہ سارا کمال اس نطفے کا ہی تھا بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد ہمارے سامنے ہے لیکن طیب نطفہ بنیادی کردار کا حامل ہوتا ہے۔

پھر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے جو سلسلہ چلا وہ کیسا تھا وہ ہمارے سامنے ہے ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ تک عرب اور بنی اسرائیل میں تمام ابنیاء ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے آئے۔ یہ اس درخت کا پھل تھا۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نسل وہ پھل تھا جو اپنے رب کے حکم سے تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے والدین بھی مومن تھے۔ بعض لوگ کم علمی و جہالت کی وجہ سے ایک حدیث کو اپنے نظریات کے مطابق سمجھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے والدین کو بھی مشرک قرار دیتے ہیں، نعوذ باللہ۔ جس حدیث کا سہارا لیتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ نے اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور پھر والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس کی اجازت دے دی گئی۔

اس حدیث کو سمجھنا بہت ہی آسان ہے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ان کے چچا ابو طالب کی وفات کے بہت عرصہ بعد کے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جب ابو طالب کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی تو فوراً اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے وحی آ گئی اور مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا سے منع کر دیا گیا۔ اب بہت سالوں بعد یہ واقع پیش آیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی اجازت طلب کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے والدین مشرک تھے تو اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے اجازت طلب کیوں کی جب کہ انہیں معلوم تھا کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا سے اللہ نے منع کر دیا ہوا ہے؟ یہ بہت بڑا سوال ہے۔

علم ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اجازت طلب کر رہے ہیں تو اس کا مطلب بلکل واضع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین مومن تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت اس لیے طلب کی کیونکہ وہ نبی و رسول تھے وہ کوئی بھی کام اللہ کی اجازت اور وحی کے بغیر نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ ان کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسوہ حسنہ بنانا تھا جس کے لیے صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کو علم تھا کہ کب کیا اور کون سا عمل اور کیسے کرنا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس لیے منع کر دیا کہ اگر اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو اس وقت صحابہ کی کثیر تعداد ساتھ تھی وہ بھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کرتے جن میں اکثریت کے والدین مشرک تھے۔ یہ وہ وجہ تھی جس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے منع کر دیا۔

یہ بہت قوی دلائل ہیں اس کے علاوہ ان موضوعات پر اور بھی بہت سے قوی دلائل موجود ہیں احادیث بھی موجود ہیں لیکن ہمارا موضوع چونکہ یہ نہیں اس لیے اتنے پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔

یہ مثالیں ہیں ہمارے لیے تا کہ ہمیں یاد ہو جائے۔ یہ تمام علم اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے دماغ میں رکھ دیا لیکن معاملہ بلکل ایسے ہے کہ جیسے آپ کو اپنی پیدائش سے چند سال تک کچھ بھی یاد نہیں حالانکہ ان سالوں میں آپ نے بہت کچھ دیکھا، سنا، بولا، بہت سی حرکات وسکنات کیں لیکن کچھ بھی یاد نہیں۔ سب بھول گئے۔ پھر اسی طرح زندگی میں بہت کچھ ایسا ہے جو کیا لیکن یاد نہیں اور کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو یاد آجاتا ہے۔ یا کسی کے بتانے سے یاد آجاتا ہے۔ بلکل اسی طرح یہ سب علم اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر انسان کے دماغ میں رکھ دیا اور جسے ہم سیکھنا کہتے ہیں وہ ہم سیکھتے نہیں بلکہ وہ پہلے ہی دماغ میں موجود ہوتا ہے لیکن ہم بھول چکے ہوتے ہیں اور وہ دوبارہ یاد ہو جاتا ہے۔ یہ مثالیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی لیے بیان کیں تا کہ لوگوں کو یاد ہو جائے اور وہ اس پر عمل کر کے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ملت ابراہیم علیہ السلام میں داخل ہونے کی راہ ہموار کر سکیں۔

جب طیب کھائیں گے جس سے خود بھی طیب ہوں گے اور اولاد بھی طیب پیدا ہوگی اور فطرت پر رہیں گے تو پھر آنے والی آزمائش کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی۔ ایسا انسان اس درخت کی طرح جس کی جڑیں زمین میں گہرائی میں ہوتی ہیں کی طرح اپنے دین پر ثابت رہے گا اور فتنے و آزمائشیں گزر جائیں گی حتیٰ کہ جب آخری آزمائش گزر جائے گی کہ انسان ثابت قدم رہا تو پھر اللہ سبحان وتعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اسے بھی اپنا خلیل بنائیں گے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ. ابراھیم

۲۶

اور مثال ایسی ہے کلمہ خبیثہ کی جیسے شجرہ خبیثہ اکھاڑ دیا جاتا ہے زمین کے اوپر سے، نہیں ہے اس کے لیے ٹھہرنا۔

اور جو کلمہ خبیثہ ہوگا یعنی جو نطفہ خبیث ہوگا اس سے وجود میں آنے والا بچہ بھی خبیث ہی ہوگا۔ پھر ایسے انسان کو فتنوں کے چھوٹے چھوٹے تھپیڑے بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ یا اگر آپ کی خوراک یعنی جس مواد سے آپ کا جسم وجود میں آ رہا ہے وہ خبیث ہوگا تو آپ میں کچھ بھی ثبت نہیں ہوگا۔ زبان سے بے شک آپ لاکھ ایمان کے دعوے کریں لیکن فتنوں کی زد میں آکر ان فتنوں کو ہی دین سمجھنا شروع کر دیں گے۔ آپ کی عقل کبھی بھی فتنوں کو فتنے تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوگی۔ یہ خبث ہی ہوتا ہے جو انسان سے عاجزی وانکساری کو دور کرتا ہے اور اس میں انا پرستی وتکبر کو پروان چڑھاتا ہے۔ ایسے انسان کے لیے کوئی بھی ٹھہراو نہیں ہوگا ہر فتنہ اسے اپنے ساتھ بہالے جائے گا۔ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر۔ ظاہر ہے جب اس کی جڑ ہی زمین کے اوپر ہوگی تو کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا طوفان اسے اکھاڑ پھینکے گا۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ. ابراھیم ۲۷

ثابت رکھتا ہے اللہ دنیا کی زندگی اور آخرت میں بھی ایسوں کو جو ایمان لائے قول ثابت کے ساتھ، اور رستے سے ہٹا دیتا ہے کمی کرنے والوں کو، اور اللہ وہی کرتا ہے جو اس نے قدر میں کر دیا۔

جو ایمان لاتے ہیں قول ثابت کیساتھ یعنی صرف زبان کا اقرار نہیں بلکہ اس اقرار پر ثابت رہتے ہیں۔ آزمائشیں آئیں تو دین سے ہٹ نہیں جاتے، کسی مصلحت کا لبادہ نہیں اوڑھتے نہ ہی کسی پریشانی، مصیبت و تکلیف کو دیکھ کر گھبرا کر دین کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اگر نظر آ رہا ہو یہ اللہ کے دین پر ثابت رہنے سے سب کچھ لٹ جائے گا تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دین پر ڈٹ جاتے ہیں انہیں کو اللہ ثابت رکھتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے ہم کیا چاہتے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کیسے ثابت رکھتا ہے وہ بھی اب تک ہم پر واضح ہو چکا ہونا چاہیے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے طیب میں ایسی قوت رکھی ہے جو انسان میں ثبت پیدا کرتی ہے جس سے انسان کا اللہ سبحان وتعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے۔

پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ ظالمین یعنی کمی کرنے والوں کو رستے سے ہٹاتا ہے اور اللہ کا ہر فعل اس طرح ہوتا ہے جیسے اس نے قدر میں کر دیا ہے یعنی جو قانون اس نے وضع کر دیا اسی قانون کے مطابق۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کا قانون ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہر اس پر آزمائشیں لاتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جو ان آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں تو اللہ کے قانون میں ہے کہ وہی ثابت رہیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لیکن جنہوں نے کمی کی آزمائشوں پر پورا نہ اترے یا کچھ پر پورا اترے اور کچھ پر مصلحتوں کا لبادہ اوڑھ لیا، آزمائشوں سے بچنے کے لیے اللہ کی بجائے اوروں پر توکل کیا، خواہ کسی بھی طرح آزمائشوں سے بھاگے تو اللہ کے قانون میں ایسے لوگ رستے سے ہٹ جائیں گو جب رستے سے ہٹ جائیں گے تو وہ رستہ انہیں صرف اور صرف آگ ہی کی طرف لے کر جائے گا۔ جو رستہ جنت کی طرف جاتا ہے وہ ایک ہی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے انبیاء علیھم السلام اجمعین کے ذریعے اور ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کے ذریعے واضح کر دیا۔ ہمیں جان لینا چاہیے کتنی اہمیت ہے طیب کی۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے ہمیں صرف طیب کو ہی اپنانا چاہیے۔ خواہ وہ خوراک کی صورت میں ہو، لباس کی صورت میں ہو، رشتہ داری کی صورت میں ہو، سواری کی صورت میں ہو، نظام کی صورت میں ہو یا کسی بھی صورت میں ہو۔ ہمیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بات پر عمل نہیں کرنا کسی کو بھی کسی بھی معاملے میں اللہ کا شریک نہیں بنانا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَار. ابراهيم ۲۸

کیانہیں دیکھا ایسوں کو بدل دیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے اور حلال کیا اپنی قوم کے لیے دار البوار

پیچھے بیان کی جانے والی سورۃ ابراہیم کی آیات کے فوراً بعد آنے والی اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے کھول کر وضاحت کر دی۔یعنی کلمہ خبیثہ کیا ہے اور وہ کیسے وجود میں آتا ہے کون ہیں جن میں ثبت نہیں ہوتا اور اس کی وجہ کیا بنتی ہے۔اس کی وجہ اللہ کی نعمتوں کو بدل دینا اور بدلنے والے اور ان کا استعمال کرنے والے ایسے ہوتے ہیں یا تو سرے سے کافر اور اگر ایمان لے بھی آئیں تو صرف زبانی دعویٰ ہوگا عملاً ہوں گے کافر۔اللہ کی نعمتیں کیا ہیں ہمیں انہیں جاننا ہوگا۔انہیں میں اللہ کی وہ نعمتیں بھی ہیں جنہیں اللہ نے ہمیں ہمارے رزق کے طور پر دیا۔انہیں بدلنے والے کون ہیں اور کیسے بدلا جاتا ہے ان شاءاللہ اس کی آگے مفصل وضاحت آجائے گی۔اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ بھی واضع کر دیا گیا ہے۔

جَهَنَّمَ ج يَصْلَوْنَهَا ط وَبِئْسَ الْقَرَارُ . ابراهيم ۲۹

جہنم ہے اس میں ان کو جو جو جس کا مقام ہوگا اس پر رکھا جائے گا اور بہت برا ٹھہرنے کا مقام ہے

اس آیت میں بنیادی طور پر دالبوار کی وضاحت کی گئی ہے کہ دار البوار ہے کیا۔دارلبوار میں جس جس کا جو جو مقام ہوگا اسے اس کے مقام پر رکھا جائے گا۔

و الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ج وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ط كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ . الاعراف ۵۸

اور طیب بلد نکالتا ہے اپنی اگانے کی چیزیں اپنے رب کے حکم سے،اور وہ جو خبیث ہے نہیں نکالتا مگر انتہائی ناقص بے فائدہ،اس طرح ہم پھیرتے ہیں اپنی آیات کو اس قوم کے لیے جو احسان کی قدر کرنے والی ہے

باب دوم۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانا

اللہ کی نعمتوں کو کیسے بدلا جاتا ہے، بدلنے والے کون ہیں، اللہ کی نعمتوں کا متبادل اختیار کرنے والوں کے نقصانات سمیت پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ. النساء ۲

اور نہ تبدیل کو خبیث کو طیب سے۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ نہ تبدیل کرو خبیث کو طیب سے۔اس میں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ لفظ ''تبدلو' کے شروع میں ''ت'' کا ستعمال ہوکر ''**تَتَبَدَّلُوا**'' بن گیا جس سے معنی میں تبدیلی آجائے گی یعنی ایسا تبدیل کرنا کہ جس کے پیچھے کوئی نہ کوئی عوامل ہوں۔جو بھی عوامل ہیں اگر وہ موجود ہیں تو خبیث بدلا جائے گا طیب سے اگر وہ عوامل ہٹا دیئے جائیں تو خبیث کو طیب سے بدلنا ناممکن ہوجائے گا۔اس سے یہ بھی واضع ہوجاتا ہے کہ ایسا نہیں کہ زبان سے خبیث کو طیب سے نہ بدلو۔ بلکہ عملاً خبیث کو طیب سے نہ بدلو۔پھر مزید اس لفظ میں غور کریں تو اصل لفظ ہے ''**بدلوا**'' اس کے شروع میں دوبار ''**ت**'' کا استعمال ہوا،ایک بار ''**ت**'' کے استعمال سے لفظ ''**تبدلوا** '' بن جائے گا جس کے معنی ایسا بدلنا جس کے پیچھے کوئی عوامل ہوں پھر ایک اور ''**ت**'' کے اضافے سے پیچھے کارفرما عوامل کے اور اور مرحلے کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً آپ کو ایک شئے بنانی ہے اس کے لیے جو درکار ہے وہ موجود ہے لیکن اگر وہ موجود نہیں تو پہلے اسے تخلیق کرنا اس کے بعد اس سے متعلقہ شئے بنانا۔مثلاً جیسے ہم نے پیچھے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو جانور خبث کھائے اس کا گوشت، دودھ اور سواری بھی حرام ہے۔یعنی اس کے حرام ہونے کے لیے گندگی وجہ بنی۔کہ آپ نے ایک شئے حرام کرنی ہے تو گندگی اس میں ڈال دیں اور اب اگر گندگی ہی میسر نہیں یا جو درکار ہے وہ میسر نہیں تو پہلے اسے بنانا۔یہ ''**تتبدلوا**'' بن جائے گا۔اب وہ عوامل کون سے ہیں ہم کئی مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں لیکن آگے آنے والی آیات کو ساتھ ملاتے ہوئے ان تمام آیات کی روشنی میں تمام سوالات کے جوابات واضع کرتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ . المائدہ ۸۷

اے وہ جوایمان لائے ہو نہ حرام بناؤطیبات کو جوحلال کیں اللہ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے پار ہو جاؤ،اس میں کچھ شک نہیں اللہ نہیں حب کرتا اس کی حدوں کو پار کرنے والوں کو۔

یہ آیت یوں سمجھ لیں کہ پچھلی آیت کا تسلسل ہے۔اس میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے طیبات کو حرام بنانے سے منع کیا ہے۔اور اس آیت میں ''تُحَرِّمُوْا'' کے ساتھ بھی ''ت'' کا استعمال ہوا ہے۔حسب سابق یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ یہ بھی صرف زبان سے طیب کو حرام کرنا نہیں بلکہ اس کے پیچھے بھی کچھ نہ کچھ عوامل کارفرما ہیں جن کے ذریعے طیبات کو جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے لیے حلال کیا کو حرام بنایا جا سکتا ہے۔اگر ان عوامل کو ہٹا دیا جائے تو طیبات کو حرام کرنا ناممکن بن جائے گا۔یعنی طیبات حرام نہیں بنیں گی۔طیبات کو حرام کرنے والے اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔

یعنی جو حدیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے لگا دیں کے ان کو پار نہیں کرنا۔یہ کام ہم نے نہیں کرنا۔اگر ایسا کیا تو ایسا نہیں کہ اس سے کچھ بگڑے گا نہیں بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ حدیں لگائی ہی اس لیے ہیں کہ اگر ان سے تجاوز کیا گیا تو پھر تباہیاں برپا ہوں گی۔ایسا کرنے والوں سے اللہ سبحان وتعالیٰ حب نہیں کرتے۔جن سے اللہ سبحان وتعالیٰ حب نہیں کرتے ان کا انجام کیا ہے ہمیں قرآن میں ایسی تمام آیات سے انجام کا ذکر بھی مل جائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلاً ط قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ . یونس ۵۹

کہوان سے دیکھو تو جو اتارا اللہ نے تمہارے لیے رزق سے پس کر دیتے ہو تم اس میں سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال، کہو نہیں کیا اللہ نے حکم دیا تمہیں اس کا یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو۔

یہ آیت بھی پچھلی دونوں آیات کا تسلسل سمجھیں۔پہلی آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے منع کیا دوسری میں کیسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جاتا ہے اس کی وضاحت اور ساتھ اس سے منع کر کے ورنہ انجام کی وعید بھی سنا دی۔اس آیت میں ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود ایسا کیا، حلال کو حرام اور حرام کو حلا بنا دیا اور یہ جو ایسا کیا، کیا اللہ نے اس کا حکم دیا یا اللہ پر افتراء کر رہے ہو۔

اس آیت میں لفظ '' فَجَعَلَ '' جعل کے ساتھ ''ف'' کا استعمال ہو گیا جس کے معنی ہیں پس۔جعل کے معنی ہیں عملی طور پر کسی

شئے کا مقام تبدیل کر دینا۔یعنی ایک مقام سے اٹھا کر دوسرے مقام پر لے جانا۔اور اگر اس کا مقام تبدیل کرنے کے لیے اس میں کوئی تبدیلی کرنا ناگزیر ہو تو اس میں وہ تبدیلی کرنا جس سے اس کا مقام تبدیل ہو جائے۔یا کسی شئے میں ایسی کوئی تبدیلی کرنا جس سے اس کا مقام تبدیل ہو جائے۔بہر حال ایک ہی بات کو پھیر کر بیان کیا گیا ہے۔اس لفظ کا ترجمہ پیدا کرنے کا لیا جاتا ہے جو کہ بلکل سرے سے غلط اور آیات کی سمجھ میں زمین آسمان کی تبدیلی کر دیتا ہے نہ صرف یہ بلکہ قرآن کے بیان کا سارا اسلوب ہی بگڑ جاتا ہے جس سے انسان ہدایت کی بجائے گمراہی اختیار کر لیتا ہے۔اسی طرح ''**فطر**'' کا ترجمہ بھی پیدا کرنا لیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔

جعل کو سمجھنا بہت ہی اہمیت کا حامل ہے جب ہم نے اس لفظ کو سمجھ لیا تو ہم پر آیات واضع ہوں گی اور راہنمائی ملے گی۔یہ لفظ قرآن میں ۳۰۶ مقامات پر استعمال ہوا ہے اگر آپ ان تمام مقامات یا چند ایک مقامات کا جائزہ لیں تو آیات خود بخود ہی اس لفظ کا مطلب واضع کر دیں گی۔مثال کے طور پر ہم چند آیات کو سامنے رکھ کر سمجھتے ہیں۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ . البقرة ۱۹

اپنی انگلیوں کو جعل کر لیتے ہیں کانوں میں

بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک سے موت کے ڈر سے وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں جعل کر لیتے ہیں۔یہ نہیں کہ وہ انگلیاں پیدا کرتے ہیں بلکہ ہاتھوں کی انگلیاں تو پہلے سے موجود تھیں لیکن کسی اور مقام پر تھیں پھر ان کے مقام میں تبدیلی کر دی۔انہیں کانوں میں ڈال لیا۔

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً . المائده ۱۳

اور جعل کیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت

اس آیت میں بھی دیکھ لیں یہ نہیں کہ دل کو پیدا کیا بلکہ دل پہلے سے موجود ہے صرف اس میں ایسی تبدیلی کی کہ وہ پہلی حالت سے نکل کر سخت ہو گیا۔یعنی اس کا مقام تبدیل ہو گیا۔

اب خبیث کو کیسے طیب سے بدلا جاتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے گوشت اور اس کے دودھ کو حرام قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا گندگی کھانے والے جانور کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے۔ (سنن ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا گندگی کھانے والے اونٹ پر سواری کرنے سے یا اس کا دودھ پینے سے (سنن ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے گندے کھانے والے جانور اور اس کا دودھ پینے سے منع کر دیا۔ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے گندگی کھانے والے جانور کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ (سنن نسائی)

رسول اللہ ﷺ نے گندگی کھانے والے جانور کا دودھ پینے سے منع کر دیا۔ (سنن نسائی)

احادیث کے عربی متن میں جلالہ کا ذکر کیا گیا ہے اور جلالہ کہتے ہیں ایسا جانور جو گند یعنی خباثت کھائے۔ جو جانور بھی خباثت کھائے اس کا گوشت اور دودھ حرام قرار دیا اس لیے کہ جانور جب گند کھائے گا تو اسی گند سے اس کا گوشت اور اسی سے دودھ پیدا ہوگا۔ حقیقت کیا ہے کہ گند ایک کیمیائی عمل سے گزرا جس سے اس نے گوشت اور دودھ کی صورت اختیا کر لی۔ اب اسے گند تو نہیں کہا جائے گا لیکن اس سے جو بنا وہ بنا اسی سے۔ اس گوشت یا دودھ کو واپس پہلی حالت میں تبدیل کیا جائے تو گند ہی سامنے آئے گا۔ گند خبیث ہے اس لیے وہ حرام ہے۔

اب اگر اسی گند کو جو کہ خبیث ہے مرغی کی صورت میں ڈھال دیا جائے تو وہ مرغی بن جائے گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے مرغی حلال بنائی ہمارے لیے لیکن تب جب وہ طیب ہو۔ ہم نے اس طیب کو حبیث سے بدل ڈالا۔ یعنی مرغی کو جو خوراک کھلائی جاتی ہے وہ مردار، خون اور مختلف ایسی ہی اشیاء سے تیار کی جاتی ہے۔ اب کچھ لوگ جو خود کو علماء کہتے ہیں وہ بضد ہیں کہ گند سے بنی مرغی حرام نہیں ہوتی کیونکہ خون اور مردار انسانوں کے لیے حرام کیا گیا ہے نہ کے جانوروں کے لیے۔ اس لیے جانور اس کے مکلّف نہیں ہیں لہذا مرغی حلال ہے حرام نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کی یہ احادیث ہی کافی ہیں اگر وہ سمجھنا چاہیں تو۔
اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر ان احادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ ان سب جانوروں کو حرام کیوں قرار دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے، خچر اور گدے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا اور ہر ناب والے جانور سے بھی (سنن ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا کھانے سے ہر ناب والے درندے اور ہر پنچے والے پرندے کو۔ (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ناب والے ہر درندے کو کھانے سے منع کر دیا۔ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام وہ درندے جن کے ناب ہیں ہیں پس ان کا کھانا حرام ہے۔ (مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر حرام کر دیا پالتو گدے اور گھوڑے اور خچر اور ہر ناب والے درندے کھانے سے اور ہر پنجے والے پرندے کھانے سے۔(سنن ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالیں استعمال کرنے سے منع کر دیا۔(سنن ابوداؤد)

ناب کہتے ہیں دونو کیلے دانتوں کو۔ جو تقریباً ہر درندے کے ہوتے ہیں۔ انسان کے بھی ہوتے ہیں لیکن درندوں سے قدرے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان سب کو اس لیے حرام قرار دیا گیا اگر انسان ان کا گوشت کھائے گا تو جو خصلتیں ان تمام جانوروں میں موجود ہیں وہ سب انسان میں منتقل ہو جائیں گی۔ گوشت صرف ظاہر میں نظر آنے والا مادہ نہیں ہوتا۔ یہ مادہ تو دراصل فضلہ ہوتا ہے اصل شئے اس میں موجود کیمیکلز یعنی اجزاء کی صورت میں اس کی خصوصیات اور خامیاں ہوتی ہیں جسے عربی میں ''**طین**'' کہا گیا ہے جن سے ہمارا جسم بنتا ہے اور ہمارے اندر خصوصیات و خامیاں پیدا ہوتی ہے۔

ان کے برعکس کون سے جانور حلال کیے گئے؟ ذرا غور کیجئے۔ گائے، بکری، اونٹ، مرغی، ہرن وغیرہ سمیت ایسے تمام جانور۔ یہ ایسے جانور ہیں جو شریف ہیں۔ ان میں عاجزی و انکساری ہے۔ لیکن یہ سب بھی تب ہی حلال ہوں گے جب یہ طیب ہوں گے اگر یہ طیب نہیں رہیں گے یعنی خبیث بن جائیں یا بنا دیئے جائیں تو یہ حرام ہو جائیں گے۔

ایسے حلال طیب جانوروں کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے انسان میں بھی وہی خصوصیات پیدا ہوں گی جو ان جانوروں میں ہیں۔ یہ جاور اپنے مالک کے وفادار ہوتے ہیں۔ بھوکے بھی رہیں تو مالک سے بغاوت نہیں کرتے بلکہ بھوک سے مر جائیں گے لیکن کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے مالک ناراض ہو جائے۔ لیکن اگر انہیں جانوروں کو خباثت کھلائی جائے تو اس کے اثرات ان جانوروں پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

آج ہم دیکھیں کہ کس طرح اللہ سبحان وتعالیٰ کی طیبات جو ہمارے لیے حلال ہیں انہیں حرام کیا جا رہا ہے اور حرام کو حلال کیا جا رہا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہمارے لیے پیدا کردہ ہر شئے میں خباثت ملا کر یا اس میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جس سے وہ فطرت سے ہٹ گئی اس طرح حرام بنایا جا رہا ہے اور حرام بنا دیا گیا ہے۔

اور صرف خوراک نہیں بلکہ زندگی کی ہر شئے پر نگاہ دوڑائیں۔ پھر اسی طرح اللہ کی حرام کردہ کو حلال بنایا جا رہا ہے۔ وہی لفظ ''جعل'' کو

سامنے رکھیئے۔ کس طرح ان میں تبدیلیاں کر کے ان کے مقام کو تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے خنزیر کو حرام کیا لیکن ہم اسی خنزیر کو کھانے کی ۹۹ فیصد سے زائد اشیاء میں استعمال کر رہے ہیں۔ وہ کیمیکلز جو زہر ہیں ان کو طیب اشیاء میں ملا کر انہیں غیر طیب کر کے حرام بنا رہے ہیں اس طرح حرام کو حلال کی صورت میں لوگوں کو کھلا رہے ہیں اور خود بھی کھا رہے ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو کچھ بھی ہم سے چھپا کر رکھا اور ایمان لانے کا حکم دیا۔ یعنی یہ کہ جو بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم سے چھپا کر رکھا وہ تمام مخلوقات اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ہیں ان کے وجود کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان سب کو کسی نہ کسی لائن پر لگا دیا۔ جس سے وہ اپنے اس مقصد کو پورا کر رہی ہیں اگر ہماری ان تک رسائی ہو جائے تو ہم ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اگر ہم نے انہیں چھیڑا تو اس سے وہ اپنی لائن سے ہٹ جائیں گی اور کائنات میں تباہی آئے گی۔ اس لیے ہم انہیں نہیں چھیڑیں گے۔ ان کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

اب ذرا غور کیجئے اللہ سبحان وتعالیٰ کے غیب جو کہ ہمارے لیے حرام ہیں ہم نے کیسے ان کو حلال کر لیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ یہ تمہارے استعمال کی نہیں ہیں لیکن ہم نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ سب ہمارے استعمال کا ہے ہمارے فائدے کا ہے اور ہم اللہ کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔

کیسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جا رہا ہے اس کی مزید تفاصیل آگے آئیں گی۔ تو اللہ سبحان وتعالیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ پوچھو ان سے کیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا یا تم افتراء کر رہے ہو اللہ پر؟

اللہ سبحان وتعالیٰ جب خود منع کر رہے ہیں تو وہ اس کے کرنے کا حکم ہی کیوں دیں گے؟ اللہ، سبحان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم اللہ پر افتراء کر رہے ہو۔

عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ

اللہ پر افتراء کر رہے ہو

افتراء کہتے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے خالق ہیں اور خالق ہونے کے ناطے صرف اور صرف انہیں ہی علم ہے کہ ہمارے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ۔ اس لیے اللہ نے ہم پر واضع کر دیا کہ ہمارے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ۔ ہم نے اللہ کے ان احکام پر عمل کرنا ہے لیکن انسان اپنے عمل سے یہ دعویٰ کرے کے جس سے اللہ نے منع کیا اس میں ہمارا فائدہ ہے اور جس کو اختیار کرنے کا حکم دیا اس میں ہمارا نقصان ہے اور انسان اسی کے مطابق عمل کرے۔ یعنی جس سے اللہ نے منع کر دیا اسے اختیار کرے اور جس کا حکم دیا اسے ترک کر دے کہ ہمارا اسی میں فائدہ ہے۔

آیت میں لفظ تَفْتَرُوْنَ آ گیا یعنی لفظ کے شروع میں ''ت'' کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں کہ افتراء کے پیچھے کچھ عوامل ہیں اگر ان عوامل ہو ہٹا دیا جائے تو افتراء نہیں ہو گا وہ کون سے عوامل ہیں ان کا ذکر آیت کے پہلے حصے میں ہو گیا۔ کہ پس کر دیتے ہیں اس میں حرام کو

حلال اور حلال کو حرام۔ یعنی جن عوامل یا ذرائع سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا جاتا ہے وہ ہیں افتراء کے پیچھے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. المائدہ ۱۰۰

کہونہیں برابر خبیث اور طیب اور اگر تمہاری عقل نہ مانے خبیث کی کثرت کو، پس بچو اللہ سے اے اولی الاباب تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔
یعنی جو مقصد طیب سے پورا کرنا مقصود ہے وہ خبیث سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اب جب لوگوں کو یہ دعوت دی جائے گی تو وہ کہیں گے کہ جی تو اس کا مطلب ہے سب کچھ ہی خبیث ہے یوں تو سب ہی حرام ہو جائے گا عقل نہیں مانتی، ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا ہاں تمہاری عقل بے شک نہ مانے تم جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہو وہ مقصد خبیث سے پورا نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تو تمہیں الٹا مزید خبیث کر دے گا۔ اب اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ کثرت خبیث کی ہے یہ سب چھوڑنے سے کھانے کو کچھ نہیں بچے گا استعمال کو کچھ نہیں بچے گا یوں تو تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا تو دیکھو ان چھوٹی چھوٹی تکالیف سے بچنے سے بہتر ہے اللہ سے بچو۔ یعنی آخرت کو ذہن میں رکھو، جہنم کی آگ، جہنم کی تکلیفوں سے ان کا موازنہ کرو۔ یہ ان کے مقابلے میں کوئی حثیت نہیں رکھتیں اس لیے اس سے بچو جس سے بچنے کا حق ہے۔

"یا اولی الالباب" اے اولی الالباب۔ اولی کا مادہ "ول" ہے اسی سے ولی بنا ہے۔ اور **"باب"** کے معنی دروازہ یعنی داخلے اور اخراج کے مقام کے ہیں۔

جیسے گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کا ایک یا ایک سے زائد رستے ہوتے ہیں جو باب یعنی دروازے کہلاتے ہیں۔ اگر دواز وں کو کھول دیا جائے تو کوئی بھی اندر آ جا سکتا ہے لیکن اگر دروازے بند کر دیئے جائیں یا ختم کر دیے جائیں تو اندر آنا جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ بلکل اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے جب کوئی بھی بات ہوتی ہے خواہ ۱۰۰ افیصد یقین ہی کیوں نہ ہو کہ وہ غلط ہے اس کے باوجود وہ اس میں غور وفکر کرتے ہیں کہ کہیں یہ بات ٹھیک ہی نہ ہو۔ مکمل تحقیق، غور وفکر کرتے ہیں اس کے بعد اگر حق ہے تو اسے دماغ میں داخل ہونے دیتے ہیں اور پہلے اس حوالے سے جو دماغ میں نظریہ ہوتا ہے اس دماغ سے باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی نقطے پر اپنے دماغ کے دروانوں کو تالے لگا کر پکا بند کر دیتے ہیں یا کچھ مخصوص لوگوں کے لیے دماغ کے دروازے کھلے رکھتے ہیں باقی سب کے لیے بند۔ جو نظریات ان کے دماغ میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ باطل ہوتے ہیں لیکن وہ کسی بھی بات پر غور وفکر نہیں کرتے۔ جن کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں اپنے آپ کو اسی ایک دائرے میں بند رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے پہلے ہی واضع کر دیا کہ اے اولی الالباب پہلے والا گروہ پس بچو اللہ سے۔ وہ بچنے کا طریقہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ صرف اور صرف طیب کھاؤ اور خبیث سے بچو خواہ خبیث کی کثرت ہی کیوں نہ ہو اور تمہاری عقل نہ مانے۔ یہی طریقہ ہے اللہ سبحان وتعالیٰ سے بچنے

کا۔

لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

تا کہ تم فلاح پاؤ

تُفۡلِحُوۡنَ کے شروع مین بھی ''ت'' کا استعمال ہوگیا جس کے معنی یہ بن گئے کہ فلاح پانے کے پیچھے کچھ عوامل ہیں اگر ان عوامل کو ہٹا دیا جائے تو فلاح کا تصور ختم ہو جائے گا اووہ عوامل کیا ہیں اس کا ذکر پیچھے آیت میں موجود ہے یعنی طیب کو اختیار کرنا اور خبیث کو ترک کرنا۔

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ . الاعراف ۳۲

کہو کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو وہی ہے جس نے نکالا اپنے غلاموں کے لیے اور طیبات رزق سے، کہو یہی ہے ان کے لیے جو ایمان لائے دنیا کی حیات میں خالص یوم قیامت، اس طرح آسان کرتے ہیں ہم اپنی آیات کو علم رکھنے والی قوم کے لیے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کی زینت کیا ہے اس کا جواب بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے دے دیا وہ طیبات سے رزق ہے جو اللہ نے نکالا اپنے غلاموں کے لیے اور کون ہیں جنہوں نے حرام کر دیا۔ پیچھے بھی کچھ تفاصیل گزر چکی ہیں اور آگے بھی صراحت کے ساتھ آ جائے گا۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر یہ نہیں کہ اللہ کی حلال کو حرام بنا دیے جانے کے بعد انہیں استعمال کیا جائے بلکہ تب بھی جو ایمان والے ہیں ان کے لیے صرف طیب ہی اصل رزق ہے دنیا کی زندگی میں۔

اللہ کی زین کو حرام کرنے کا ذکر ہے اور وہ زینت کیا ہے اس کے بارے میں اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ اسے نکالا اپنے غلاموں کے لیے طیب رزق کی صور میں یعنی یہ طیب رزق، رزق کی صورت میں آنے سے پہلے جس حالت میں موجود تھا وہ زینت تھی۔ رزق کیا ہے ہمیں اس میں غور وفکر کرنا ہوگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کیا کیا زمین سے ہمارے لیے رزق کی صورت میں نکالا؟

ہم جو بھی کھاتے ہیں یعنی سبزیاں، پھل، دالیں، گندم، چاول، مثالوں، جڑی بوٹیوں سمیت باقی اس طرح کا رزق اس کے علاوہ گوشت، دودھ وغیرہ۔ گوشت اور دودھ کن سے حاصل ہوا جانوروں سے، جانور وجود میں آنے سے پہلے کہاں تھے؟ یعنی جس سے وہ وجود میں آئے؟

گھاس پھوس کی صورت میں۔ گھاس پھوس پہلے کہاں اور کس صورت میں تھی اور اسی طرح سبزیاں، پھل، دالیں، گندم، چاول، مثالوں، جڑی بوٹیوں سمیت باقی اس طرح کا رزق پہلے کہاں تھا؟ زمین سے نکالا گیا تو اس کا مطلب ہے زمین میں موجود تھا۔ زمین میں کہاں سے آیا؟

اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں کہا کہ ہم نے بلندی سے پانی اتارا جس سے زمین سے رزق کو نکالا۔

اس کا قرآن میں بہت سے مقامات پر ذکر کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم رزق میں غور وفکر کریں تو ہمیں ان میں مختلف اقسام کے اجزاء ملتے ہیں جو کہ بارش کی صورت میں اترنے والے پانی میں نہیں پائے جاتے۔یعنی سارے رزق کی بنیاد تو پانی پر ہے کہ ان میں زیادہ حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن پانی کے علاوہ کچھ فیصد اجزاء بھی ہوتے ہیں جو بارش کے علاوہ ہیں اور ذرائع سے رزق میں شامل ہوتے ہیں۔وہ اجزاء کہاں سے آئے۔ہمارے لیے ان کا جاننا بھی بہت ضروری ہے۔

پانی کے علاوہ جن اجزاء سے رزق زمین سے نکالا جاتا ہے ان تمام اجزاء کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین میں خام تیل کی شکل میں رکھ دیا جسے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کی زینت اور برکات بھی کہا۔خام تیل وجود میں کیسے آتا ہے اس کی وضاحت اور اس کے علاوہ پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات اور اس کی وضاح آپ ہماری کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' میں پڑھ سکتے ہیں۔یہاں ہم مختصر ذکر کریں گے تا کہ ہمارے موضوع کا احاطہ ہو سکے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ زمین سے نکالے جانے والے خام تیل سے کیا کیا تیار کیا جاتا ہے اور انہیں کن مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

زمین سے نکالے جانے والے خام تیل سے پیٹرول، ڈیزل، مختلف اقسام کے موبل آئل تیل، نائیلون، پلاسٹک سمیت ہزاروں اقسام کے کیمیکلز نکالے جاتے ہیں ان کیمیکلز سے کھانے پینے کی لاتعداد اشیاء تیار کی جاتی ہیں انہیں کیمیکلز کو کھانے کی اشیاء کو پریزرو کرنے یعنی ان کی زندگی بڑھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔انہیں کیمیکلز کو کھانے پینے کی اشیاء میں وٹامنز اور ان اجزاء کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو اجزاء قدرتی رزق میں پائے جاتے ہیں۔خام تیل سے حاصل ہونے والے کیمیکلز سے ہی دانت صاف کرنے والے پیسٹ تیار کیے جاتے ہیں۔

پھر پلاسٹک بنایا جاتا ہے اور پلاسٹک سے لاتعداد اشیاء تیار کی جاتی ہیں جن کی فہرست آپ با آسانی تیار کر سکتے ہیں۔

اسی خام تیل سے نائیلون بنایا جاتا ہے جس سے مصنوعی بال، دانت صاف کرنے والے برش، مچھلیاں پکڑنے والی ڈوری اور بیگ سے لاتعداد اشیاء تیار کی جا رہی ہیں۔

اسی خام تیل سے حاصل ہونے والے کیمیکلز سے مختلف رنگ اور سیاہیاں بنائی جاتی ہیں۔جن سے عمارتوں کو رنگنے والے رنگ، پنسلیں اور کھانوں اور مشروبات میں استعمال ہونے والے تمام اقسام کے رنگ بنائے جاتے ہیں۔یہ بہت ہی مختصر بیان کیا ہے اس کے علاوہ آپ خود بھی تحقیق کر سکتے ہیں۔

اب جب کہ ہم جانتے ہیں کہ زمین میں ہزاروں میٹر گہرائی میں یہ خام تیل اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہی رکھا ہے اور کس مقصد کے لیے رکھا ہے اس کو جاننا بھی بہت آسان ہے اس کی وضاحت اللہ سبحان وتعالیٰ قرآن کے بہت سے مقامات پر کر چکے ہیں۔بہر حال ہم اگر تھوڑا سا اللہ کی آیات میں غور وفکر کریں تو ہم پر حقیقت عیاں ہو جائے گی۔یہ اللہ کی زینت ہے اس سے اللہ سبحان وتعالیٰ زمین کو مزین کرتے ہیں یعنی خام تیل کی صورت

میں موجود اجزاء سے ہی زمین وہ تمام اجزاء حاصل کرتی ہے اور پانی کے ملاپ سے نباتا کو باہر نکالتی ہے۔ جیسے کہ ہم اگر غور و فکر کریں تو تمام کی تمام سبزیوں، دالوں اور بیجوں وغیرہ میں تیل کہاں سے آیا؟

ہم نے زمین سے اللہ کی رکھی ہوئی زینت کو نکالا اور اس سے ہم نے طرح طرح کے تیل بنا لیے یوں ہم نے اللہ کی زینت کو حرام بنا دیا۔ اگر تو یہ تیل انہیں مراحل کے ذریعے ہم تک پہنچتے جو اللہ نے وضع کر دیئے تو یہ حلال طیب تھے اور ان کا استعمال بھی اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا۔ لیکن ہم نے کیا کیا؟

اسی طرح غور و فکر کریں ہمارے جسم پر بال اور ناخن وغیرہ کہاں سے آگئے، پرندوں کی چونچیں ان کے پنجے، ان کے پر، جانوروں کے جسم پر بال وغیرہ یہ سب نائیلون ہے یہ کہاں سے آگیا؟ غور کریں یہ سب پہلے کہاں تھا۔ یعنی ہمارے جسم پر بال، پرندوں کے پنجے، چونچیں اور پر وغیرہ، جانوروں کے جسموں پر بال یہ سب کیسے بنے؟ یہ سب خوراک کے ذریعے ہمارے اور ان کے جسموں پر وجود میں آئے۔ خوراک زمین سے نکلی اور زمین میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ سب زمین میں رکھ دیا۔ یعنی زمین کی زینت کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے جس شکل میں رکھا ہم اسے خام تیل کا نام دیتے ہیں۔ اور ہم اس سے نائیلون اور پھر نائیلون سے لاتعداد اشیاء تیار کر رہے ہیں۔ نائیلون سے کیا کیا بنایا جا رہا ہے اس پر بھی آپ تحقیق کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ہم زمین پر اس کی زینت کو مختلف رنگوں میں دیکھتے ہیں۔ جیسے سبزیوں، پھلوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، دالوں کے مختلف رنگ، پھولوں کے مختلف رنگ حتیٰ کہ زمین جو بھی اگاتی ہے وہ مختلف رنگوں میں ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے زمین نے یہ تمام رنگ کہاں سے حاصل کیے؟ کیا بارش کے پانی میں یہ تمام رنگ موجود تھے؟ نہیں بلکل نہیں بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان رنگوں کو بھی زمین میں اسی خام مال میں رکھ دیا جسے ہم خام تیل کا نام دیتے ہیں اور اسی خام تیل سے طرح طرح کے رنگ بناتے ہیں اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے زمین کی یہ زینت ہمارے لیے حلال کی لیکن صرف اور صرف طیب رزق کی صورت میں لیکن ہم نے کیا کیا؟

ہم نے اسے حرام بنا دیا۔ کیونکہ ہم نے اسے طیب رزق کی صورت میں حاصل کرنے کی بجائے ان طریقوں سے حال کیا جس کی اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہیں بھی اجازت نہیں دی بلکہ الٹا سختی سے منع کر دیا کہ اگر ایسا کیا تو فساد ہوگا۔

یہ سب اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم سے چھپا کر رکھ دیا اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں چھپا کر رکھا؟

مثال کے طور پر اگر آپ بچوں سے ایسی اشیاء کیوں چھپا کر رکھتے ہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں؟

یا پھر اگر آپ کے پاس سونا ہو یا جواہرات ہوں تو انہیں چھپا کر رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر چھپا کر رکھتے ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اگر یہ سب ہم سے چھپا کر رکھ دیا تو اس کا مطلب ہے یہ براہ راست ہمارے لیے نہیں ہے۔ اگر ہم نے چھیڑ چھاڑ کی تو تباہی ہی آئے گی۔ یہ سب اللہ کا غیب ہے۔

غیب کہتے ہیں جسے چھپا کر رکھ دیا جسے ہم سن نہ سکیں، دیکھ نہ سکیں اور چھو نہ سکیں، جسے بغیر کسی آلے کے ہماری آنکھ کو دیکھنے کی صلاحیت نہ ہو سننے کی صلاحیت نہ ہو اور محسوس کرنے کی صلاحیت نہ ہو اور وہ بھی جو بلکل واضع ہو جسے ہم دیکھ بھی سکتے ہوں، سن بھی سکتے ہوں اور محسوس بھی کر سکتے ہوں

لیکن اس کے بارے میں واضح فیصلہ نہ کیا گیا اور نہ علم دیا گیا۔ اور وہ بھی جسے ہم دیکھ بھی سکتے ہیں، سن بھی سکتے ہیں، چھو کر محسوس بھی کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود چھپا کر رکھ دیا گیا۔ یہ سب اللہ کا غیب ہے اور غیب پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ یعنی کہ یہ سب اللہ کی مخلوقات ہیں انہیں کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور خلق کر کے انہیں اس لائن پر لگا دیا جس لائن پر قائم ہو کر وہ مقصد پورا کر سکیں جس مقصد کے لیے انہیں خلق کیا گیا اور گر کوئی بھی خلق اس لائن سے ہٹ جائے جس پر اللہ نے اسے لگا دیا تو وہ مقصد پورا نہیں ہوگا جس مقصد کے لیے اسے خلق کیا گیا جس سے پھر فساد ہوگا اور نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا اس لیے اگر ہمارے کسی ایسی مخلوقات تک رسائی ہو جائے تو ہم ان کیساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ ان کے پیچھے نہیں پڑیں گے ان کو اسی لائن پر لگا رہنے دیں گے جس لائن پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے انہیں لگایا ہوا ہے۔

اس طرح اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی آیات کو کھولتے ہیں ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان پر فرض ہے کہ اللہ کے ساتھ اس طرح شریک ہونے کی بجائے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہوئے صرف اور صرف طیب کو ہی اختیار کریں۔ ہم نے کوشش کی کہ مختصراً بیان کیا جائے اتنا ہی جس سے ہمارے موضوع کا احاطہ ہو سکے اس لیے اس حوالے سے مزید تفصیل جو کہ کافی وسیع ہے اسے ہماری کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' میں پڑھیں۔ اور ضرور پڑھیں تا کہ اگر کوئی سوال ہو تو اس کا جواب بھی آپ کو اسی کتاب سے حاصل ہو جائے۔

اور الحمدللہ اب تک واضح ہو چکا ہونا چاہیئے کہ کیسے اللہ کی زین جو اللہ نے حلال کی اسے حرام کیا جا رہا ہے۔ نہ صرف کیا جا رہا ہے بلکہ کر دیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَار ۔ ابراھیم ۲۸

کیا نہیں دیکھا ایسوں کو بدل دیا جنہوں ے اللہ کی نعمت کو کفر سے اور حلال کیا اپنی قوم کے لیے دار البوار

کون ہیں جنہوں نے اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں کو بدل ڈالا؟ اور کیسے بدلا؟ کیوں بدلا؟ کیوں بدلا کا جواب تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی آیت میں ان الفاظ '' **نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا** '' کے استعمال سے دے دیا۔ یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان پر جو اپنی نعمتوں کے ذریعے احسانات کیے ان احسانات کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے۔ اگر وہ ان احسانات کی قدر کرتے تو وہ اللہ کی نعمتوں کو نہ بدلتے۔ اگر وہ غور کرتے کہ ان کے پاس اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے دی گئی کون کون سی نعمتیں ہیں۔ ان کے جسم کے تمام اعضاء۔ ان کے رہنے کو زمین بنائی سر پر آسمان کی صورت میں چھت بنا کر آسمانی آفتوں سے محفوظ کر دیا، سانس لینے کے لیے آکسیجن دی۔ زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کے لیے سب کچھ مہیا کر دیا۔ بھلا یہ غور نہیں کرتے کہ اگر آنکھوں کی صورت جو اللہ نے انہیں نعمت دی اگر وہ نہ دی جاتی تو ان پر کیا گزرتی۔ ذرا تصور کریں اگر آنکھیں نہ ہوں یا یہ چھین لی جائیں تو کس اذیت کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت دے کر اس اذیت سے محفوظ کر دیا۔ یہ کتنا بڑا احسان ہے اللہ کا ہم پر۔ اسی طرح باقی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ نہ ہوتیں یا ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوتی تو کن حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ آکسیجن نہ ہوتی تو تڑپ تڑپ کر مر جاتے لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ نے وہ مہیا کر کے ہمیں اس اذیت سے بچا دیا۔ یہ کتنے عظیم احسانات ہیں اللہ کے ہم پر۔ لیکن جب غور ہی نہ کیا، احسانات کا احساس ہی نہ رہا یعنی کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے کی

بجائے کفر کیا، شکر مطلب کہ اللہ یہ یہ تمام نعمتیں جس مقصد کے لیے دیں ان تمام نعمتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے مطابق کرنا اور کفر ہوتا ہے ان تمام نعمتوں یا اللہ کی کسی بھی نعمت کا استعمال اللہ کی مرضی کے خلاف کرنا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں جس جس مقصد کے لیے دیں ان کا اس اس مقصد کیے مطابق استعمال اللہ کا شکر کہلاتا ہے اور ان کا اس مقصد کے علاوہ اور مقاصد کے لیے استعمال اللہ کی نعمتوں کا کفر کہلاتا ہے۔ جب ان نعمتوں کو اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جس کے لیے یہ دی گئیں تو پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں کو بدل ڈالا۔

بدلنے کے لیے متبادل کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس شئے کو بدلہ جا سکے۔ تو کیسے بدلا یعنی ان کا متبادل بنایا گیا جن سے اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں کو بدل ڈالا گیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کھانے پینے کو جو کچھ بھی ہمارے لیے پیدا کیا ان میں ملاوٹ کر کے، ان میں تبدیلیاں کر کے انہیں فطرت سے ہٹا کر بدل ڈالا گیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو ہمارے لیے حلال بنایا اس میں خبیث کی ملاوٹ کر کے اسے حرام میں تبدیل کر دیا گیا، اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو حرام کیا اسے خوشنما بنا کر اس کی صورت تبدیل کر کے اسے حلال میں بدل دیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو سواری کے ذرائع مہیا کیے ان کا متبادل بنا کر اللہ کے ذرائع کو ناقابل استعمال یعنی حرام بنا دیا گیا۔ انہیں دجالی سواری کے ذرائع سے بدل دیا گیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے معاش کے جو ذرائع وضع کیے انہیں دجالی معاشی ذرائع سے بدل دیا گیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے لین دین کے جو طور طریقے واضع کیے انہیں دجالی کاغذی اور الیکٹرانک کرنسی سے بدل دیا گیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہدایت کے جو ذرائع وضع کیے انہیں دجالی میڈیا ذرائع سے بدل دیا گیا۔ جیسے جیسے غور وفکر کرتے چلے جائیں دنیا قید خانے سے بدتر جگہ نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہر نعمت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہر ایک کو بدل دیا گیا یہاں تک کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کا دیا ہوا نظام جس میں تمام مخلوقات کا فائدہ وبقاء ہے اسے بھی بدل دیا گیا۔

جو بھی ایسا کرتے ہیں تو حقیقت کیا ہوتی ہے اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ انہوں نے اپنی قوم کے لیے حلال کر لیا دار البوار کو۔ یعنی جب اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں کو بدل دیا تو جو بھی ان کے پیروکار ہوں گے جو ان اللہ کی نعمتوں کے متبادل کو اختیار کریں گے۔ جو بھی ان کے حمایتی ہوں گے، جو بھی ان کے درمیان رہیں گے کہ ان کو برا نہ جانیں گے۔ حتیٰ کہ جو بھی ان کے ساتھ کوئی بھی تعلق رکھیں گے تو یہ سب کچھ جو انہوں نے اللہ کی نعمتوں سے بدل ڈالا یہ انہیں جنت میں نہیں لے کر جائے گا۔ ایسا معاشرہ، ایسی خوراک، ایسے سفر کے ذرائع ایسا نظام انہیں دار البوار میں لے کر جائے گا۔ ان خبیث غذاوں سے ان کے اجسام بھی خبیث بنیں گے۔ یہ معاشرہ یہ نظام انہیں خبیث بننے پر مجبور کر دے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کی بغاوت میں زندگی بسر کریں گے تو جنت ایسوں کے لیے نہیں ایسوں کا انجام دار البوار ہے۔ کیا ہے دار البوار؟ اس کا جواب اگلی آیت میں دے دیا۔

جَهَنَّمَ ج يَصْلَوْنَهَا ط وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۔ ابراهیم

جہنم ہے اس میں ان کو جو جس کا مقام ہوگا اس پر رکھا جائے گا اور بہت برا ٹھہرنے کا مقام ہے

"**یَصۡلَوۡنَهَا**" اس کا مادہ "**صل**" ہے جس کے بلکل آسان معنی یہ ہیں کہ جس جس کا جو جو مقام ہے اسے اس کے مقام پر رکھنا۔

اسی سے لفظ "**صلاۃ**" بنا ہے۔

یعنی دارالبوار جہنم ہے اس میں جس جس کا جو جو مقام ہوگا اسے اسی کے مقام پر رکھا جائے گا۔اور یہ ٹھہرنے کی بہت بری جگہ ہے۔اس میں ہر وہ تکلیف ہوگی جو اللہ کی اس دنیا میں عطا کردہ تمام نعمتوں کے عدم کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔اگر آنکھوں سے اندھا کر دیا جوئے تو تصور کریں۔پاؤں مفلوج کردئے جائیں حتیٰ کہ جسم کے تمام اعضاء مفلوج ہوجائیں۔کھانے کو وہ سب ملے جس سے یہاں انسان کراہت محسوس کرتا ہے۔غلاظت اور ایسے جانور کھانے کو ملیں جیسے سانپ اور اس طرح کے انتہائی گندے۔بچھوؤں اور اسی طرح کے جانوروں کے درمیان رہنے پر مجبور کردیا جائے۔ یہ جہنم ہوگی۔اس میں ہر وہ تکلیف ہوگی جو دنیا میں ممکن تو ہے لیکن اس سے محفوظ کردیا گیا اس کا متبادل عطا کرکے۔

۲۸ **وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ** . النحل ۱۱۶

اور نہ کہو اس کے لیے جو تمہاری زبانیں کہتی ہیں جھوٹ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، افتراء کرنے کے لیے اللہ پر جھوٹ، اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ نہیں فلاح پائیں گے۔

اس آیت میں جو بات واضع کی جارہی ہے اور جو راہنمائی کی جارہی ہے اسے سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ایک تو یہ کہ کب یا کن مواقع پر کہا جاتا ہے یہ حلال اور یہ حرام ہے؟

یقیناً ایسے مواقع پر جہاں کوئی شک وشبہ موجود ہو جہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہو۔خواہ وہ سوال اپنے دماغ میں پیدا ہو کسی بھی شیئے کے حوالے سے دل میں پیدا ہونے والی کھٹک کی وجہ سے یا کوئی دوسرا ہو۔وہ بھی تبھی کسی شیئے کے بارے میں سوال کرے گا جب اسے علم نہ ہوگا یا پھر شیئے کے حوالے سے تردد یا شک میں مبتلا ہوگا۔اور یہ ضروری نہیں کہ ایسا سوال صرف کھانے پینے کی ہی شیئے کے بارے میں پیدا ہو یا پوچھا جائے بلکہ دنیا میں ہر وہ شیئے جو دنیا میں زندگی کی ضرورت ہے میں سے کسی کے بھی بارے میں ہوسکتا ہے۔

آیت میں آگے جو الفاظ آتے ہیں "**تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ**" ان سے جو بات واضع ہورہی ہے وہ یہ کہ جب بھی کوئی ایسا موقع آئے تو صرف زبان سے نہیں کہہ دینا کہ ہاں جی یہ حلال ہے یا یہ حرام ہے۔خواہ وہ دیکھنے میں واضع حلال اور واضع حرام ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سوال پیدا ہی کیوں ہوتا؟۔

آخر اگر سوال پیدا ہوا تو کم از کم شک ہی کی بنیاد کو اگر لے لیا جائے تو ہاں یا ناں سے پہلے باقاعدہ تحقیق وتصدیق لازم ہے۔پہلے اس شیئے

کے بارے میں مکمل علم حاصل کیا جائے، جانا جائے کہ آیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے جو معیار ہمارے لیے مقرر کیا ہے یہ شئے اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ جب مکمل علم حاصل ہو جائے شک اور تردد وغیرہ تک بھی دور ہو جائے تو تب کہا جائے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔
اگر ایسا نہ کیا گیا تو زیادہ تر امکانات اسی کے ہوں گے کہ انسان اللہ پر افتراء کر بیٹھے گا۔

افتراء۔ افتراء کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک زبان سے اور دوسرا عمل سے۔ پہلی صورت اپنے قول سے افتراء کرنا یعنی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع کر دیا کہ یہ شئے تمہارے لیے قابل استعمال نہیں تمہارا اس میں نقصان ہے اور انسان اسی شئے کے حوالے سے یہ کہے کہ یہ شئے ہمارے لیے قابل استعمال اور اس میں ہمارے لیے فائدہ ہے۔ یہ انسان تب ہی کہے گا جب اس کے پاس علم نہیں ہوگا۔ بغیر علم کے اپنے گمان کے مطابق ایسا کہے گا۔
دوسری صورت یعنی اپنے عمل سے اللہ سبحان وتعالیٰ پر افتراء کرنا۔ اپنے موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے اسے سمجھتے ہیں کہ حلال وحرام کے معاملے میں عمل کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ پر افتراء کیسے کیا جاتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں خلق کیا اس لیے صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی علم ہے کہ اس نے ہمیں کیسے خلق کیا اور ہماری کیا کیا ضروریات ہیں۔ ہمارے لیے فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔ اب اگر ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہمارے لیے خلق کی ہوئی خوراک کے مقابلے میں مصنوعی خوراک تیار کرتے ہیں یا اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہمارے لیے بنائی ہوئی خوراک میں ایسی تبدیلی کرتے ہیں جس سے وہ اپنی فطرت سے ہٹ جائے تو یہ ہم نے خوراک کے معاملے پر اللہ سبحان وتعالیٰ پر افتراء کیا۔ ہم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اے اللہ تجھے علم ہی نہ تھا ہمیں تو ایسی خوراک کی ضرورت تھی اس میں فائدہ تھا جو ہم نے خود فطرت کے علاوہ طریقوں سے خلق کی مثلاً جیسے موجودہ جدید دجالی ذرائع سے جو کچھ بھی اگایا جا رہا ہے۔ یہ سب اللہ سبحان وتعالیٰ پر افتراء کہلاتا ہے۔ یہ تو ہم نے اپنے موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے افتراء کو سمجھا مگر یہ صرف یہیں تک محدود نہیں۔ کسی بھی معاملے میں افتراء کیا جا سکتا ہے۔
زبان یعنی قول سے اللہ پر کیسے افتراء کیا جاتا ہے۔
مثال کے طور پر کوکا کولا یا پیپسی وغیرہ کو لے لیجئے۔ اگر کوئی اس کے بارے میں سوال کرے تو ظاہر ہے اس نے اس لیے سوال کیا کہ اس کے دل میں کوک یا پیپسی کے بارے تردد پیدا ہوا۔ اب اگر آپ سے وہ سوال کرے تو آپ فوراً کہہ دیں کہ جی یہ حلال ہے۔ اور آپ نے یہ اس لیے کہا کہ جیسے ہی اس نے سوال کیا تو فوراً آپ کے ذہن میں آجاتا ہے کہ دنیا کی اکثریت اسے حلال سمجھتی ہے، ہمارے بڑے بڑے علماء کی کھانے کے دستر خوانوں پر یہ مشروبات استعمال کیے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مشہور و معروف علماء وشخصیات اسے حلال کہتی ہیں تو یہ حلال ہی ہوگا اس لیے آپ نے فوراً یہ جواب دے دیا۔ یا اس کے پیچھے اور وجوہات بھی ہو سکتی ہیں مثلاً کہ آپ خود بھی پیتے ہوں اور اسی بنیاد پر آپ حلال کہہ دیں۔

اب ہوا کیا؟ آپ پر فرض تھا کہ آپ جواب صرف اور صرف اسی وقت دیتے جب آپ کے پاس مکمل علم آجاتا۔ آپ پوری تحقیق کرتے کہ یہ کن کن اجزاء سے تیار کیے جاتے ہیں۔ وہ اجزاء کیسے تیار کیے جاتے ہیں۔ پھر ان اجزاء پر مکمل تحقیق کرتے اس کے بعد جا کر ہاں یا ناں میں جواب دیتے۔ تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں واضح حکم دے دیا کہ تمہارے لیے صرف طیبات کو ہی حلال کیا گیا ہے۔ تو کیا یہ طیبات میں سے ہیں؟

ان مشروبات میں الکوحل استعمال کی جاتی ہے۔ تو کیا الکوحل حلال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شئے حرام ہے اس کی کم سے کم مقدار بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی کثرت میں نشہ ہو اس کا تھوڑے سے تھوڑا بھی حرام ہے۔ (ترمذی)

بے شک ان مشروبات میں استعمال ہونے والی الکوحل یعنی نشے کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسے ہمارے لیے حرام قرار دیا۔ جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی کہ اس میں تمہارے لیے نقصان ہے تو ہم کون ہوتے ہیں یہ کہنے والے کہ آپ اس کو استعمال کر سکتے ہیں اس میں نقصان نہیں ہے؟ یہ اللہ سبحان تعالیٰ پر افتراء کہلائے گا۔

اسی طرح ان مشروبات میں جو گیس استعمال کی جاتی ہے اسے ہم کاربن ڈائی آکسائیڈ کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ گیس انسان کے لیے زہر ہے انتہائی نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے پر پھونک مت مارو، پانی پینے کے دوران برتن میں سانس مت لو۔

رسول اللہ ﷺ نے پینے کی شئے میں پھونک مارنے سے منع کر دیا۔ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے کھانے کی شئے پر پھونک مارنے سے منع کر دیا۔ (بخاری)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیونکہ یہ انسان کے لیے نقصان دہ ہے جس میں فائدے کی بجائے نقصان ہو وہ خبیث ہی ہو سکتی ہے نہ کہ طیب۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں حکم دے دیا کہ خبیث تمہارے لیے نقصان دہ ہے لہذا تمہارے لیے حرام ہے یعنی تمہیں اس کو استعمال نہیں کرنا۔ تو ہم نے کیا کیا؟

ہم نے کہا جی نہیں اس کے استعمال میں نقصان نہیں ہے اس لیے یہ آپ کے لیے حلال ہے یعنی آپ اسے استعمال کر سکتے ہیں تو یہ ہم نے کیا کیا؟ ہم نے اللہ سبحان وتعالیٰ پر جھوٹ افتراء کیا۔ جس شئے کے بارے میں اللہ سبحان وتعالیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں نقصان ہیں ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ نہیں اس میں ہمارے لیے کوئی نقصان نہیں یہ تو ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔

پھر ان مشروبات میں جو بھی اجزاء شامل کیے جاتے ہیں وہ ایک سے بڑھ کر ایک زہر ہیں۔ یہ تو ایک شئے کی مثال تھی۔ آپ کھانے پینے کی تمام اشیاء سے لے کر اپنے استعمال کی ہر شئے میں غور کریں۔ خواہ وہ سفر کے ذرائع ہوں یا معاش کے ذرائع یا کوئی بھی ایسی اشیاء ہوں جن کا آپ کی زندگی سے تعلق ہو جو کچھ بھی آپ استعمال کر رہے ہیں اور جو دوسرے استعمال کر رہے ہیں۔ کسی بھی شئے کے بارے میں اس

وقت تک حلال اور حرام کا نظریہ قائم نہ کیا جائے جب تک کہ مکمل علم حاصل نہ ہو جائے لیکن ایک بات جو ذہن میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ اس کی بھی سرے سے کوئی اجازت نہیں کہ آپ اس فیصلے سے پہلے اس کا استعمال کرنا شروع کر دیں۔ یعنی فلحال تو استعمال کریں جب علم ہو جائے گا تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ نہیں بلکہ پہلے اس کے بارے میں جان کر فیصلہ کیا جائے گا اگر تو حلال ہے تو استعمال کیا جائے گا اور اگر حلال ہونے کی شرائط پر پورا نہ اترے تو نہ صرف وہ حرام ہو گی بلکہ پھر جو ذمہ داری ہم پر اللہ سبحان وتعالیٰ نے عائد کی اسے بھی پورا کیا جائے گا۔ اس ذمہ داری کو جاننا ہم پر فرض ہے اور پھر اس کا پورا کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ پر اس طرح افتراء کرنے والوں کا انجام بھی اسی آیت میں واضع کر دیا کہ ایسے لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ . الاعراف ۵۸

اور طیب بلد نکالتا ہے اپنی اگانے کی چیزیں اپنے رب کے اذن سے (ہر لحاظ سے خالص اللہ کی طرف سے اس کے علاوہ کسی اور کا عمل دخل نہ ہونا)، اور وہ جو خبیث ہے نہیں نکالتا مگر انتہائی ناقص بے فائدہ، اس طرح ہم پھیرتے ہیں اپنی آیات کو اس قوم کے لیے جو شکر کرنے والی ہے۔

بلد. ایسی بستی کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد کھیت ہوں جن میں فصلیں اگائی جائیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ اس طرح کی بستی جو طیب ہو۔ یعنی جو مکمل طور پر فطرت پر ہو اور نہ صرف فطرت پر بلکہ اس میں کوئی خبث وغیرہ نہ ہو۔ ان کھیتوں میں کوئی بھی مصنوعی کیمیکلز، کھادیں اور ادویات وغیرہ استعمال نہ کی گئی ہوں۔ کھیتوں میں محلوں اور شہروں کا فضلے والا پانی استعمال نہ کیا گیا ہو۔ بنیادی طور پر اگر دیکھیں تو طیب بلد کا نقشہ ہے کیا؟

طیب بلد صرف اور صرف وہی کہلائے گا جہاں لوگ بلکل اسی طرح رہائش پذیر ہوں اور اگا وغیرہ رہے ہوں ان کا رہن سہن بلکل ایسا ہو جیسا اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ فطرت پر۔ جیسے جنگل میں جانور رہتے ہیں ان کی زندگیاں مکمل طور پر فطرت پر ہوتی ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل تک ایسے بہت سے گاؤں تھے جہاں ایسا ماحول پایا جاتا تھا۔

لوگ اپنے کھیتوں کے درمیان اپنے گھر تعمیر کرتے تھے۔ قدرتی طور پر اگاتے تھے۔ خود سبزیاں اگاتے، فصلیں اگاتے اور آئندہ کے لیے اسی میں سے بیج بھی محفوظ کر لیتے تھے۔ گائے، بھینس کا گھی استعمال کرتے تھے۔ آپس میں لین دین بھی مکمل فطرت پر تھا۔ لوہار اوزار کے بدلے کسان سے خورد ونوش کی اشیاء لے لیتا تھا اسی طرح ترکھان، درزی، کمہار وغیرہ سب آپس میں اس طرح لین دین کرتے تھے اور اگر کوئی بڑی بیع کرنا مقصود ہوتا تو سونے اور چاندی کا استعمال کیا جاتا۔ حتیٰ کہ صبح جاگنے سے لیکر اگلی صبح تک تمام کے تمام اعمال فطرت پر ہوتے تھے۔ ایسی بستی طیب بلد کہلاتی ہے۔ ایسا بلد پھر جو کچھ بھی اپنے اندر سے نکالتا ہے وہ اپنے رب اللہ سبحان وتعالیٰ کے حکم سے نکالتا

ہے۔ یہاں پر آیت میں لفظ رب بھی بہت اہمیت کا حامل ہے لفظ رب کے معنی کو ذہن میں رکھا جائے۔
رب یعنی ایسی ذات جس نے جب ای شئے کا وجود نہیں تھا اسے خلق کر کے وجود دیااور کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا، پھر خلق کر کے اس کو تمام بنیادی ضروریات عطا کر کے پروان چڑھا کراس مقام پر لانا جس مقام پر آ کر وہ مخلوق جس مقصد کے لیے خلق کی گئی وہ مقصد پورا کرنے کے قابل ہو جائے پھراس کواس کی اس لائن کی طرف رہنمائی کرنا جس لائن پر قائم ہو کر وہ مقصد پورا کر سکے جس کے لیے اسے خلق کر کے پروان چڑھا کراس مقام تک لایا گیااوراس کے بعد اس خلق کے لیے ایک وقت مقرر کر دینا جب اس سے اس کا حساب لیا جائے جس مقصد کے لیے اسے خلق کیا۔ ان میں سے کسی بھی مرحلے میں شریک ہونے والا رب ہونے میں شریک ہونے کا دعویٰ کرنے والا ہوگا۔
ایسی زمین سے نکلنے والا سب کچھ خالص اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی نکلتا ہے اس میں اللہ کے علاوہ اور کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ایسی نباتات طیب ہوتی ہیں (طیب یعنی ہرلحاظ سے پاک، صاف اور فطرتی) وہ جس مقصد کے لیے نکالی گئیں خالص اس مقصد کو پورا کرتی ہیں ان میں یا ان کے استعمال کرنے والے میں کوئی عیب نہیں پیدا ہوتا۔ جب وہ نباتات جانور کھاتے ہیں یعنی انہیں سے جانور بنتے ہیں اور انہیں فصلوں، جانوروں کے گوشت، دودھ وغیرہ سے جو انسان وجود میں آتے ہیں وہ بھی طیب ہوتے ہیں۔ ان میں اللہ سبحان وتعالیٰ کی نافرمانی کا مادہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ کچھ خبیث ان کے جسم کا حصہ نہ بن جائے۔ ایسی بستی کے لوگ عقل رکھنے والے ہوں گے، بیماریوں سے پاک ہوں گے اللہ سبحان وتعالیٰ کا شکر کرنے والے ہوں گے شکر۔ اللہ کا شکر یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے انہیں جو بھی نعمتیں دی ان کے جسم کے تمام اعضاء، ان کے مال واولاد، ان کے زندہ رہنے سمیت تمام کی تمام نعمتوں کا ستعمال اللہ کی مرضی کے مطابق کرنا۔ جس مقصد کے لیے نعمتیں دی گئیں اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے احکامات کے عین مطابق استعمال کرنا شکر کہلاتا ہے۔ ان کا تعلق اللہ سبحان وتعالیٰ سے قائم رہے گا۔ اوراس کے برعکس جو بستی خبیث ہے وہ جو کچھ بھی نکالتی ہے وہ ناقص ہوتا ہے۔ کیوں ناقص ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی سے نہیں نکلتا بلکہ اس میں اللہ کے علاوہ اور بھی شریک ہو جاتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. الانبیاء ۲۲

اگر ہوتے ان میں (آسمانوں اور زمین میں) الٰہ اللہ کے علاوہ تو ان میں خرابیاں وتباہیاں ہو جاتیں، پس اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے عرش (عرش یعنی آسمانوں اور زمینوں کا نظام چلانا) کے لیے رب ہونے میں کسی اور کو شریک کرے جیسے یہ کر رہے ہیں۔
اٰلِهَةٌ ۔ الٰہ کی جمع ہے ایک سے زیادہ الٰہ۔ الٰہ کہتے ہیں کوئی ایسی ذات جس کی کسی بھی معاملے میں بات مانی جائے یا جس کی غلامی کی جائے۔

لَفَسَدَتَا۔ اس کا مادہ ہے فسد۔جس کے معنی ہیں کسی شئے میں کمی یا زیادتی یا کسی بھی ذریعے سے ایسی تبدیلی پیدا کرنا جس سے اس شئے میں خرابی پیدا ہو جائے اور خرابی کے نتیجے میں تباہی آئے خواہ جلدی یا دیر سے۔اسی سے فساد بنا ہے،فساد کہتے ہیں کسی بھی شئے میں کوئی ایسی تبدیلی،کمی یا زیادتی کر دینا جس سے اس شئے میں خرابی پیدا ہو جس کی وجہ سے وہ نقصان یا تباہی سے دوچار ہو۔خواہ وہ تباہی اور نقصان فوری آئے یا بعد میں دیر سے اور خواہ کتنی ہی دیر سے۔

رَبِّ۔ رب یعنی ایسی ذات جس نے خلق کیا اور کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا،خالق ہونے کے ناطے صرف اور صرف اسی کو علم ہے کہ مخلوق کے لیے کس میں فائدہ اور کس میں نقصان ہے،اس کی کیا ضروریات ہیں۔پھر خلق کر کے اس کو تمام بنیادی ضروریات عطا کر کے پروان چڑھا کر اس مقام پر لانا جس مقام پر آ کر وہ مخلوق جس مقصد کے لیے خلق کی گئی وہ مقصد پورا کرنے کے قابل ہو جائے پھر اس کو اس کی اس لائن کی طرف رہنمائی کرنا جس لائن پر قائم ہو کر وہ مقصد پورا کر سکے جس کے لیے اسے خلق کر کے پروان چڑھا کر اس مقام تک لایا گیا۔

الْعَرْش۔ نظام چلانے کا مقام۔اللہ سبحان وتعالیٰ تمام عالمین کے رب ہیں تو تمام عالمین کے لیے کیا فائدہ مند ہے،کیا نقصان دہ ہے، کیسے ان کا نظام چلے گا سمیت تمام کا تمام علم صرف اللہ ہی کو ہے اس لیے اس کے لائق بھی اللہ کی ذات ہے۔وہی عرش کا بھی رب ہوگا یعنی آسمانوں اور زمینوں کا نظام کیسے چلانا ہے یہ بھی وہی وضع کرے گا۔جو قانون اس نے وضع کر دیا اسی کے مطابق اسی کے حکم پر عمل ہوگا تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔

يَصِفُوْن۔ صِف سے ہے جس کے معنی کچھ کرنے کی صلاحیت کا ہونا ہے۔ یصفون یعنی جو کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہیں ان کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔اس لفظ کے شروع میں ''ی'' کے آ جانے سے اپنی مرضی کا مادہ شامل ہو جاتا ہے۔
اب اس آیت میں غور کریں تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے علاوہ کوئی اور ایسی ذات ہوتی جس کی غلامی کی جاتی جس کی بات پر عمل کیا جاتا تو آسمانوں اور زمین کا نظام بگڑ جاتا اور تباہیاں آتیں۔اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نظام چلانے سمیت آسمانوں اور زمین میں کسی بھی عمل میں کسی اور کو شریک کرے۔کیونکہ اگر ایسا ہو تو آسمانوں اور زمین میں سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ ہی کی ذات اس لائق ہے اس کے علاوہ اور کوئی بھی ایسا نہیں کہ

جس کی غلامی کی جائے جس کی بات مانی جائے کیونکہ اللہ ہی رب ہے۔اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یعنی اس کے عرش میں شریک بنے ہوئے ہیں اس کا نتیجہ سوائے فساد کے اور کچھ نہیں۔ اللہ نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا کہ یہ اللہ کے عرش یعنی آسمانوں اور زمین کے نظام چلانے میں دخل اندازی کریں جو کہ یہ اپنی مرضی سے اپنی کچھ کرنے کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے کر رہے ہیں۔

ان کا رب بھی اللہ سبحان وتعالیٰ ہے۔یعنی انہیں بھی اللہ نے خلق کیا اور ان میں جو اوصاف یعنی کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہیں یہ بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہی رکھیں اور اس لیے رکھیں کہ اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کیا جائے لیکن یہ ان صلاحیتوں کو اللہ کی مرضی کی بجائے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر کے اس کے عرش میں شریک ہو کر آسمانوں اور زمین میں فساد کر رہے ہیں۔جس کا حکم انہیں اللہ نے نہیں دیا اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دے۔

اس آیت سے بھی واضح ہو جاتا ہے جب اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی الہ ہونے کا دعویٰ کرے،اللہ سبحان وتعالیٰ کے کاموں میں شرکت کرے گا تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔آیت میں تو آسمانوں اور زمینوں کا ذکر ہے۔اگر اس حد تک کوئی ساتھ شریک ہو گا تو انجام بھی اسی حد تک نکلے گا اسی طرح اگر جس حد تک بھی کوئی اللہ کے ساتھ شریک بنے گا اسی حد تک تباہی و بربادی آئے گی۔جب انسان اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ اوروں کو اگانے کے لیے ساتھ شریک کرے گا۔آج کیسے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا جا رہا ہے اسے ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں۔مثلاً جیسے آج کیا جا رہا ہے۔فصلیں اگانے کے لیے جینیٹکلی موڈیفائی بیج استعمال کیے جا رہے ہیں جس کی تفاصیل آگے آئیں گی۔اللہ سبحان وتعالیٰ کے تیار کردہ بیجوں میں کمی اور تبدیلی کی جائے گی تو جو ایسا کریں گے انہوں نے اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔پھر جب ایسے بیج کو استعمال کیا جائے گا تو کیسے اس سے پیدا ہونے والی فصل طیب ہو گی یعنی ہر لحاظ سے مکمل ہوگی،فطرت پر ہوگی۔کیسے اس میں نقصان کی بجائے فائدہ ہوگا؟۔ایسی شئے تو فائدے کی بجائے نقصان دہ ہوگی پھر اس سے وجود میں آنے والے انسان میں بھی وہ خامیوں پیدا ہوں گی۔اس سے وجود میں آنے والے جاندار بھی خامیوں والے ہوں گے یوں یہ فساد یعنی خرابیاں ہوں گی جن سے تباہی برپا ہوگی۔

اسی طرح جب اگانے کے لیے مصنوعی کھادوں مصنوعی کیمیکلز اور ادویات وغیرہ کا استعمال کیا جائے گا جدید سائنسی طریقوں کو استعمال کیا جائے گا تو ان سے اگنے والی شئے کس کے حکم کس کی مرضی سے پیدا ہوگی؟۔اللہ کے حکم سے یا ان مصنوعی ذرائع کے استعمال سے؟اگر جواب میں مشکل ہو تو ان سب کے علاوہ قدرتی ذرائع سے اگا کر فرق ملاحظہ کریں۔بلکل واضح ہو جائے گا کہ کیسے اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کیا جا رہا ہے۔پھر جب ایسی غذائیں آپ استعمال کریں گے اور پھر ان غذاوں سے وجود میں آنے والے نطفے سے بچہ وجود میں آئے گا وہ کیسے طیب ہوگا؟ آپ نے تو اسے وراثت میں ہی جہنم تھما دی۔

اس میں بھی وہ تمام خامیاں موجود ہوں گی جو آپ کی غذا میں تھیں یوں نہ صرف آپ نے اپنی غذاوں میں اللہ کے علاوہ اوروں کو شریک کیا

بلکہ اپنی اولاد میں بھی اوروں کوشریک کیا جس وجہ سے بچے عیب دار پیدا ہوتے ہیں۔اور پھر آپ الٹا اللہ سبحان وتعالیٰ پر ہی افتراء کرتے ہیں کہ اللہ نے ہی ایسا عیب دار بچہ دیا۔استغفر اللہ،اس سے بڑا اللہ سبحان وتعالیٰ پر اور کیا بہتان ہوسکتا ہے۔جب اللہ ہے ہی سبحان وہ پاک ہے ہر طرح کی نفی سے۔وہ عیب دار خلق نہیں کرتا۔

بجائے اس کے کہ ہمارے ساتھ جب کچھ ایسا ہو تو غور وفکر کریں اور ادراک ہونے پر واپس اللہ سے رجوع کریں اور اپنی اس خامی کو دور کریں۔بلکہ الٹا ہم اس کو اللہ کی طرف منسوب کر کے مزید اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے لیے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں کہ اس طرح اللہ اپنی نشانیوں کو پھیرتا ہے ایسی قوم کے لیے جو شکر کرنے والی ہے یعنی انہیں جو بھی اللہ نے عطا کیا وہ کسی نہ کسی مقصد کے لیے عطا کیا جو اس مقصد کو جان کر ان تمام نعمتوں کا استعمال اللہ کی مرضی کے مطابق کرنے والے ہیں نہ کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر کے اللہ کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کر کے اس کی مخلوقات میں آسمانوں اور زمین میں خرابیاں کرتے ہیں۔اگر ہم نے اللہ سبحان وتعالیٰ کی ان نشانیوں کے ذریعے اللہ سبحان وتعالیٰ کو پہچان کر ان میں اوروں کو شریک بنانا چھوڑ دیا تو ہم میں اس کا شکر کرنے کا مادہ بھی آجائے گا۔ہم اس کے احسانات کی قدر کرتے ہوئے اس کی غلامی اختیار کریں گے ورنہ ہم اللہ کی بجائے شیطان کی غلامی میں اپنی زندگی گزارتے رہیں گے اور آنکھ بند ہوتے ہی حقیقت عیاں ہوجائے گی لیکن تب سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ ہوگا۔

انسان کا اللہ کے ساتھ شریک بننا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے رب ہیں یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں خلق کیا، کس مقصد کے لیے خلق کیا اس کا علم بھی صرف اللہ کو ہے اس لیے اسی کے مطابق پروان چڑھایا۔ پروان چڑھانے کے لیے ہماری کیا کیا ضروریات تھیں اور ہیں اس کا علم بھی صرف اللہ ہی کو ہے اس لیے اس نے وہ سب ضروریات ہمارے لیے خلق کیں اور ہمیں عطا کر کے ان کے ذریعے پروان چڑھا کر اس مقام تک لے کر آئے کہ ہمیں جس مقصد کے لیے خلق کیا اس مقصد کو پورا کر سکیں۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہمیں وہ تمام صلاحیتیں بھی دے دیں یعنی ہمارے تخلیقی مراحل کے دوران وہ تمام صلاحیتیں ہماری ذات میں رکھ دیں۔ ان صلاحیتوں کا استعمال کیسے کرنا ہے یہ بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم پر واضح کر دیا۔ اور اگر ہم ان صلاحیتوں کو اللہ کی بجائے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو اس سے کیا فساد ہوگا ہم اسے جاننے کے لیے آگے بڑھتے ہیں جس کے لیے ہمیں کچھ معلومات کی ضرورت ہے۔ اس لیے ان سب پر بات کرتے ہیں۔ تا کہ ہم پر یہ بھی واضح ہو جائے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہی کی مرضی کے مطابق ان صلاحیتوں کا استعمال کیوں لازمی ہے اور اگر اللہ کے علاوہ اپنی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کریں گے تو پھر اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے سمیت پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

مادے سے وجود میں آنے والی جاندار مخلوقات کے تخلیقی مراحل۔

آئٹم (ذرہ) سے مالیکیول (ایک سے زیادہ ذرات کا مجموعہ) سے ماکرومالیکیول، سے اورگان سیل یعنی سب خلیہ (جن کے مجموعے سے خلیہ وجود میں آتا ہے اس کا ایک چھوٹا حصہ) سے سیل یعنی خلیہ (انسانی جسم کا سب سے چھوٹا ذرہ) سے ٹشو (گوشت کا ٹکڑا، ایک سے زیادہ خلیوں کا مجموعہ) سے جسم کے تمام اعضاء اور ان تمام اعضاء کے مجموعے سے انسان یا باقی جاندار مخلوقات

خلیہ۔ یہ زمین پر حیات سمیت انسانی جسم کی اکائی ہے جیسے ایک عمارت کی اکائی ایک اینٹ ہوتی ہے۔ خلیے کو انسانی آنکھ بغیر آلے کے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کے حجم کا ادراک انسانی دماغ کے احاطے سے باہر ہے۔ کم از کم دس لاکھ خلیے اگر ایک جگہ پر رکھے جائیں تو باریک سوئی کی نوک کے برابر جگہ گھیرتے ہیں۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ایک خلیے میں ایک ایسی دنیا آباد ہے جس میں پولیس، فوج سمیت وہ تمام محکمے موجود ہیں جو پورے ایک آسمان کا نظام چلانے کے لیے ایک آسمان میں موجود ہیں۔ یا جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں بلکل ویسی ہی ایک پوری دنیا آباد ہے جو بلکل اسی نظام کے مطابق قائم ہے جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی ہر مخلوق کو اپنے قانون کے تابع کیا ہوا ہے جس سے ایک نظام وضع ہوتا ہے۔

خون کے خلیے۔ خون کے خلیے معدے سے غذا میں موجود اجزاء لے کر محض ۴۵ سیکنڈ میں جسم کے تمام خلیوں کو ان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں جن کی تعداد ۶۰ ٹریلین سے زیادہ یعنی دنیا کی موجودہ آبادی سے ایک لاکھ ہزار گنا سے زیادہ ہے۔ محض ۴۵ سیکنڈ میں سب کو ان کی ضروریات خام مال کی صورت میں مہیا کرتے ہیں اور اس کے بعد ۴۵ سیکنڈ میں اس خام مال کے استعمال ہونے کے بعد خارج ہونے والے فضلے کو کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی صورت میں باہر نکالتے ہیں۔ جس کے لیے صرف ۹۰ سیکنڈ پر مشتمل تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار کلو میٹر کا سفر طے کرتے ہیں۔

ذرہ۔

آئٹم یعنی ذرہ۔ یہ کسی بھی شئے کا سب سے چھوٹا عنصر ہوتا ہے جن کے مجموعے سے کوئی بھی شئے وجود میں آتی ہے۔ ذرہ تین اجزاء کے مجموعے اور ان کے نظام سے وجود میں آتا ہے۔ نیوٹران، پروٹان، الیکٹران

ذرے کی ایک بیرونی ساخت ہوتی ہے اور ایک اندرونی۔ اس کی اندرونی ساخت نیوکلیئس کہلاتی ہے جو نیوٹران اور پروٹان کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور اس کی بیرونی ساخت میں الیکٹران ہوتے ہیں۔ الیکٹران، نیوکلیئس یعنی نیوٹران اور پروٹان کے گرد گھومتے ہیں جس سے پروٹان اور نیوٹران کو قوت مہیا ہوتی ہے اور وہ آپس میں مضبوطی سے جڑے رہتے ہیں۔ یہ بلکل ایسا ہی نظام ہے جیسے ایک نظام شمسی ہوتا ہے۔ جس میں سورج اور کچھ سیارے، سورج کو اپنا محور بنا کر اس کے گرد گھومتے ہیں۔

ہر ذرے میں پروٹان اور الیکٹران کی تعداد برابر ہوتی ہے لیکن نیوٹران کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ذرے میں موجود پروٹان کی تعداد ہی ایک شئے کو دوسری سے مختلف کرتی ہے۔ اصل تعداد ذرے کے نیوکلیئس میں موجود پروٹان کی ہوتی ہے جتنی تعداد پروٹان کی ہوگی اتنی ہی الیکٹران کی ہونا لازمی ہوگا تب ہی اس سے وجود میں آنے والی شئے خالص ہوگی ورنہ اگر الیکٹران کی تعدعد کم یا زیادہ کر دی جائے تو وہ شئے اپنی اصل حالت کھو دیتی ہے۔ وہ ناقص ہو جاتی ہے۔

اگر ایک ذرے میں الیکٹران اور پروٹان کی تعداد ۷۹ ہے تو ایسے ذرات سے وجود میں آنے والی شئے سونا کہلائے گی کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسی کو سونا کہا ہے لیکن اگر ذرے میں پروٹان کی تعداد مختلف ہوگی تو ان ذرات کے مجموعے سے وجود میں آنے والی شئے بھی مختلف ہوگی وہ سونا نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر پروٹان کی تعداد ۷۹ کی بجائے ۴۷ ہو جائے تو ایسے ذرات سے وجود میں آنے والی شئے چاندی ہوگی۔ ذرات میں پروٹان کی یہ تعداد ہی ایک شئے کو دوسری سے مختلف کرتی ہے۔

نیوٹران کی تعداد ہر شئے میں ایک حد تک ہوتی ہے ان کی تعداد میں کمی واقع ہونے سے شئے تو نہیں بدلتی لیکن شئے کا وزن متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً جیسے جیسے نیوٹران کی تعداد بڑھتی جائے گی تو شئے وزنی ہوتی جائے گی اس کے برعکس جیسے جیسے نیوٹران کی تعداد کم ہوتی جائے گی تو

شئے کا وزن بھی کم ہوتا جائے گا اگر نیوٹران کی تعداد بلکل ختم ہوجائے تو وہ شئے بے وزن ہوجائے گی۔ کوئی بھی شئے اسی وقت تبدیل ہوتی ہے جب پروٹان کی تعداد کم یا زیادہ ہو۔ مثلاً اگر ایک پروٹان کم یا زیادہ ہوجائے تو وہ شئے یکسر تبدیل ہوجائے گی۔
شئے کا خالص رہنا تب ہی ممکن ہے جب وہ جن ذرات سے وجود میں آئی ان ذرات کا توازن برقرار رہے گا۔ یعنی ان میں الیکٹران اور نیوٹران کی تعداد اتنی ہی رہے جتنی ان کی ضرورت ہے۔ اگر الیکٹران کی تعداد حد سے زیادہ تجاوز کر جائے تو اس سے قوت بھی اسی تناسب سے زیادہ پیدا ہوتی ہے اور نیوکلیئس میں اتنی قوت جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس کی برداشت سے زیادہ قوت اسے ملنے کی صورت میں دھماکہ ہوتا ہے اور ایٹم یعنی ذرہ پھٹ جاتا ہے۔ (اسی فارمولے سے نیوکلیئر بم بھی بنایا گیا ہے اور اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی ابتداء کی اور اسی طرح زمین میں تخلیقی مراحل طے ہوتے ہیں) بلکل ایسے ہی جیسے ایک غبارے میں اس کی استطاعت سے زیادہ ہوا بھردی جائے تو وہ پھٹ جائے گا اور اگر کم کردی جائے تو وہ سکڑ جائے گا یعنی کمزور ہوجائے گا۔ نیوٹران اور الیکٹران کی تعداد برقرار رکھنے کے لیے ان کی جو ضروریات ہیں جتنی جتنی اور جیسے جیسے انہیں مہیا کرنے کا طریقہ وضع کیا گیا اس میں بھی تبدیلی نہیں کی جائے گی ورنہ توازن بگڑ جائے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہماری خوراک میں یہ توازن قائم کردیا۔ اگر خوراک طیب ہوگی تو ہر ذرے کا توازن برقرار رہے گا جس سے وہ طیب حالت میں رہے گا۔ ورنہ اگر خوراک طیب نہیں ہوگی تو ذرے میں موجود الیکٹران کی تعداد متاثر ہوگی جس کی وجہ سے ذرے کا سارا نظام ہی بگڑ جائے گا۔ وہ اپنی اصل حالت سے ہٹ جائے گا۔ پھر اس ذرے سے وجود میں آنے والا مالیکیول بھی ناقص ہوگا اس مالیکیول سے وجود میں آنے والا جسم کا ہر خلیہ بھی ناقص یعنی غیر متوازن ہوگا پھر ان غیر متوازن خلیوں سے وجود میں آنے والے جسم کے اعضاء غیر متوازن ہوں گے جس سے انسان میں خرابیاں ظاہر ہوں گی جنہیں ہم بیماریوں کا نام دیتے ہیں۔

سیلز یعنی خلیے۔

خلیہ دنیا میں حیات کی اکائی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا سب سے چھوٹا عنصر اینٹ ہوتا ہے یہی حثیت ایک خلیہ کی انسانی جسم میں ہے۔ ایک سے زائد خلیوں سے گوشت کا ٹکڑا اور انہیں سے پورا جسم وجود میں آتا ہے۔ ایک خلیے کا سائز انتہائی چھوٹا ہوتا ہے انسانی آنکھ بغیر خوردبین یعنی آلے کے اسے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ ہی انسانی دماغ اس کے حجم کا ادراک کر سکتا ہے۔ ۱۰ لاکھ خلیوں کو ایک جگہ پر رکھا جائے تو وہ محض ایک باریک سوئی کی نوک کے برابر جگہ گھیرتے ہیں اس سے ہم ایک خلیے کے حجم کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

لیکن انسانی عقل اس وقت حیرت میں مبتلا ہو جاتی ہے جب وہ اس کے بارے میں آگاہی حاصل کرتی ہے۔ ایک خلیے میں بلکل ایسی ہی ایک دنیا آباد ہے جیسے ہم جس دنیا میں رہتے ہیں۔ اس میں انسانی ادراک سے باہر کھربوں کی تعداد میں مخلوقات آباد ہیں ہر مخلوق کسی نہ کسی ذمہ داری کو ادا کر رہی ہے۔ اس میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں ادارے ہیں جو اپنی اپنی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں اور ایک لمحے کے کھربویں حصے تک بھی رکتے نہیں۔ مسلسل اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ ان کا نظام ایک مقام سے کنٹرول ہوتا ہے۔ وہیں سے ہر محکمے کو ہدایات جاری کی جاتی ہیں اور وہیں سے اس دنیا کا مکمل نظام اپنی نگرانی میں چلایا جاتا ہے۔

خلیے کی دنیا انتہائی حیران کن، پرہجوم اور ناقابل تصور حد تک تیز رفتار دنیا ہے۔ اس میں ہزاروں بجلی گھر، صنعتی علاقے، کیمیکل پلانٹ، تیز رفتار آمدورفت کے ذرائع، پیچیدہ ترین مواصلاتی نظام، ہزاروں دفاعی ادارے و پیچیدہ ترین دفاعی نظام، آب رسانی اور نکاسی کا پیچیدہ ترین نظام ہر لمحے فعال اور متحرک رہتے ہیں۔

خلیے کی دنیا کا پورا نظام انتہائی سخت انتظامیہ چلاتی ہے جس کو خلیے کی دنیا کا نظام چلانے کی ہدایات اس کے خالق کی طرف سے ایک نقشے کی صورت میں تھمائی گئی ہیں۔ جسے ڈی این اے کہا جاتا ہے۔ ڈی این اے میں وہ تمام معلومات ہوتی ہیں جو ایک انسان کے اول سے آخر تک درکار ہوتی ہیں۔ کون سا خلیہ جسم کے کس حصے کے لیے بنے گا اور پھر اسی طرح کے مزید اس کی نقل تیار کر کے جسم کا مطلوبہ اعضاء تیار ہو گا۔ آنکھیں کیسی ہوں گی، کان، ناک حتیٰ کہ جسم کے ہر اعضاء کا سائز، رنگ، خصوصیات وغیرہ سب معلومات اس میں درج ہوتی ہیں۔ ڈی این اے خلیے میں حکمران کی حثیت رکھتا ہے جو اپنے پاس معلومات کے مطابق اپنی نگرانی میں سب کام کرواتا ہے۔ یہ خلیے میں واحد حکمران ہوتا ہے جو بلاشرکت غیر حکمرانی کرتا ہے لیکن وہ حکمرانی انہی ہدایات کے مطابق کرتا ہے جس کا اسے اس کے خالق نے پابند بنایا ہے۔

انتظامیہ کی طرف سے خلیے کی دنیا میں ہر اس کا داخلہ ناممکن ہے جس کی خلیے کی دنیا میں کوئی ضرورت نہ ہو۔ یہاں تک کہ کوئی ایک ذرہ بھی اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا جس کا اس میں ہونا بے مقصد ہو۔

خلیے کی دنیا میں تمام اداروں، کمپنیوں اور محکموں سمیت سب کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خام مال کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً ہوا، پانی،

گوشت، معدنیات، تیزاب وغیرہ۔ جو جسم میں موجود خون کے خلیے انہیں مہیا کرتے ہیں۔ خون میں موجود خلیوں کی حثیت بلکل ان گاڑیوں کی سی ہے جو شہر میں مال سپلائی کرتی ہیں۔

خلیے کی بیرونی تہہ جو کہ انتہائی باریک ہوتی ہے وہ خلیے کی دنیا میں بلکل وہی کردار ادا کرتی ہے جو ہماری دنیا کے گرد گیس کے بچھی ہوئی سات تہیں کرتی ہیں۔ یہ گیس کی تہیں جن کو قرآن میں پہلے ارض کا ذکر کرنے کے فوری بعد سبع السمٰوات کہا گیا ہے۔ یعنی یہ زمین کے سات آسمان ہیں نہ کہ وہ سات آسمان جن میں سب سے نچلے آسمان کے اندر ستاروں، سیاروں، کہکشاؤں اور ہماری زمین وغیرہ موجود ہیں۔ زمین کے یہ سات آسمان یعنی گیس کی سات تہیں خلا سے آنے والے ان پتھروں سے زمین کی حفاظت کرتی ہیں جو زمین کی طرف آتے ہیں اس کے علاوہ سورج اور ستاروں سے خارج ہونے والی ان شعاعوں کو روکتی ہیں جو زمین پر موجود زندگی کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں اور صرف ان کو اندر داخل ہونے دیتی ہیں جن کی زمین پر زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سطح زمین سے بھاپ کی شکل میں اڑ کر بادلوں کی صورت اختیار کرنے والے پانی کو بھی یہ باہر خلا میں جانے سے روکتی ہیں اور ان کا آب وہوا کے نظام میں بہت بڑا کردار ہے۔ اس کے علاوہ اگر ان گیس کی تہوں کو ختم کر دیا جائے تو زمین گولی کی رفتار ست ۱۸ سو گنا تیز رفتاری سے اپنے مدار میں سفر کر رہی ہے جس کی وجہ سے زمین پر کچھ بھی موجود نہیں رہے گا یہاں تک کہ پہاڑ روئی کی طرح اڑ جائیں گے یعنی یہ گیس کی سات تہیں زمین کا دفاعی حصار ہیں جیسے ایک گاڑی کی باڈی کی وجہ سے اند موجود مسافر دھول، مٹی اور ہوا کے دباؤ اور بیرونی موسمی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکل اسی طرح خلیے کی بیرونی تہہ بھی سات پردوں پر مشتمل ہے اور یہی کردار ادا کرتی ہے ابھی تک سائنس دان اس کی صرف ایک ہی تہہ کا علم حاصل کر پائے ہیں لیکن قرآن سے جو جو اصول وقوانین اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں اخذ ہوتے ہیں ان کے مطابق خلیے کا بیرونی حصار ساتھ تہوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سے داخل ہونے کے دروازے ہیں اور باہر نکلنے کے بھی۔ ان دروازوں پر بہت سخت حفاظتی انتظامات ہیں خلیے میں موجود سیکیورٹی اداروں کی طرف سے۔ اور ان کا ہر لمحے خلیے کی انتظامیہ سے رابطہ رہتا ہے جس کے نتیجے میں کون سے مال کی خلیے کی دنیا میں ضرورت ہے اور کس علاقے میں کب ضرورت ہے اسی کے مطابق اس کے قریب یا اسی کے مطابق دروازے سے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے۔ وہ خام مال پہلے فیکٹریوں میں جاتا ہے ان سے وہ مصنوعات بنائی جاتی ہیں یعنی وہ تیزاب اور کیمیکلز بنائے جاتے ہیں جو خلیے کی دنیا میں موجود مخلوقات کی ضروریات ہوتی ہیں۔ خلیے میں ٹرانسپورٹ کا نظام ان مصنوعات کو متعلقہ اداروں اور ضرورت مندوں کو تقسیم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جو فضلہ ہوتا ہے اس کو خلیے سے باہر نکالنے کی ذمہ داری بھی اسی ٹرانسپورٹ نظام کے ذمے ہوتی ہے۔

خون میں موجود سرخ خلیے جو کہ ٹرانسپورٹ کا کام کرتے ہیں وہ محض ۹۰ سیکنڈ میں ۷۵ ہزار میل سے زائد کا سفر طے کرتے ہیں۔ پہلے ۴۵ سیکنڈ میں وہ جسم کے تمام خلیوں جن کی تعداد ۶۰ ٹریلین جو کہ دنیا کی موجودہ انسانی آبادی سے ۸۰ ہزار گنا سے زائد ہیں انہیں ان کی ضروریات

مہیا کرتے ہیں اور آخری ۴۵ سیکنڈ میں اس خام مال کا فضلہ اٹھا کر جسم سے باہر خارج کرنے کا بندوبست کرتے ہیں یوں صرف ۹۰ سیکنڈ میں ۷۵ ہزار میل سے زائد کا ناقابل یقین سفر طے کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر کام پوری ترتیب، پورے حساب کیمطابق ہوتا ہے۔رائی برابر بھی کوئی لاپرواہی نہیں کی جاتی۔خلیے کی دنیا کے بارے میں مکمل معلومات لکھنے کے لیے انسان کو اربوں کھربوں سال سے زائد اس پر تحقیق کرنی پڑے گی اور ان معلومات کو تحریری شکل میں ڈالنا بھی انسان کی قدرت سے باہر ہے۔اس دنیا کے بارے میں جان کر انسانی عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔

انسان کا سب سے پہلا خلیہ یعنی سب سے پہلی اینٹ ماں اور باپ کے ۲۳،۲۳ کروموسومز سے وجود میں آتا ہے۔وجود میں آتے ہی اپنی کاپیاں بنانا شروع کر دیتا ہے یعنی خلیے کی تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ۔ہر خلیہ دو میں تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک پورا بچہ وجود میں آ جاتا ہے یہ عمل انسان کی موت تک جاری رہتا ہے۔ایک خلیہ تقسیم کے مراحل سے گزر کر کچھ وقت بعد مردہ ہو کر کھال کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور نیچے سے مزید مردہ خلیے جب کھال کی شکل اختیار کرتے ہیں تو وہ خلیے جو کھال کے اوپر آ چکے ہوتے ہیں ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔اسی طرح انسانی جسم کا نظام چلتا ہے اس کی موت تک۔

انسان کی کھال سے مردہ خلیے خود بخود ہوا میں تحلیل نہیں ہوتے بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے لاتعداد غیر معمولی چھوٹی قد و قامت کے ایسے کیڑوں کو انسانی جسم کی بہرونی سطح پر بسایا ہوا ہے جو جسم کے بیرونی تہہ کو کرید کر مردہ خلیوں کو ہوا میں تحلیل کرتے ہیں۔جب ان کیڑوں کی موت ہو جائے تو جلد کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔اور ان کی موت کا سبب ایسی اشیاء کا جلد پر استعمال بنتا ہے جو مصنوعی طریقہ کار سے بنائی جاتی ہیں جن میں صابن، شیمپو، کریمیں ومختلف مصفوعی یا غیر فطرتی طریقوں سے تیا کردہ تیل یا اس قسم کی مصنوعات ہیں۔اس کے علاوہ خوراک بھی ان کی موت کا سبب بنتی ہے۔

خلیے میں ایک چھوٹی سی تبدیلی سے الگ اعضاء وجود میں آتا ہے بلکل اسی طرح ایک چھوٹی سی تبدیلی ہی انسان کو بند، سور سمیت باقی جانوروں سے مختلف بناتی ہے۔یعنی سور اور انسان یا کوئی بھی جانور اور انسان کے کے خلیے کا اکثر حصہ مشترک ہوتا ہے سوائے چھوٹی سی تبدیلی کے جوڑی این اے کی وجہ سے ہوتی ہے۔اگر ڈی این اے میں جہاں بندر اور انسان میں فرق ہے بندر کے ڈی این اے سے وہ معلومات انسان کے ڈی این اے میں داخل کر دی جائیں تو انسان، بندر بن جائے گا۔اسی طرح کان کے خلیے اور پاوں کے خلیے میں جو فرق ہوتا ہے اگر وہ دور کر دیا جائے تو یعنی جن خلیوں سے پاوں بنا، کان کے خلیے میں یہ فرق دور کر دیا جائے تو کان کی جگہ بھی پاوں بن جائے گا۔خلیے میں معمولی سی تبدیلی سے الگ اعضاء وجود میں آتا ہے۔جو ہدایات خلیے کی مخلوقات کو ڈی این اے کی طرف سے ملتی ہیں وہ ان کی پابند ہوتی ہیں اسی کے مطابق عمل کرتی ہیں۔

ڈی این اے کیا ہے؟

جسم کے ہر خلیے میں جینز ہوتے ہیں اور جینز میں مکمل معلومات ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک عمارت بنانی ہے اس کے لیے ایک نقشہ بنانا ہوگا اس کے بعد ایک انجینئر ہوگا جو اپنی نگرانی میں اس نقشے کے مطابق عمارت تعمیر کروائے گا۔

جسم میں موجود تمام جینز کے مجموعے کو ڈی این اے کہا جاتا ہے۔ ڈی این اے یعنی ایک ایسا نقشہ جس میں مکمل معلومات ہوتی ہیں یعنی کہ اس خلق کا قد کتنا ہوگا، لمبائی، چوڑائی، رنگ، بالوں کی موٹائی، لمبائی، آنکھوں کا ڈیزائن، کانوں، ناک حتیٰ کہ مخلوقات کے بارے میں مکمل معلومات بلکل ایسے ہی جیسے عمات کی تعمیر کے لیے پہلے نقشہ تیار کیا جاتا ہے۔ ہر مخلوق میں ڈی این اے اس کے نقشے کو کہا جاتا ہے۔

جن خلیوں سے آپ کی آنکھیں بن رہی ہیں ان میں موجود جینز ان خلیوں کو ہدایات دے رہے ہوتے ہیں کہ انہوں نے کتنا بڑھنا ہے، کیا رنگت اختیار کرنی ہے، کیا کیا خصوصیات ہوں گی سمیت تمام ہدایات دے رہے ہوتے ہیں، خلیے جینز کی طرف سے موصول ہونے والی ہدایات پر عمل کرتے ہیں اور متعلقہ شئے وجود میں آتی ہے۔

کیا ڈی این اے یعنی نقشے میں تبدیلی ممکن ہے؟

جی بلکل ڈی این اے میں تبدیلی ممکن ہے۔ یعنی جو آپ کھاتے، پیتے، سنتے، دیکھتے یا زبان سے ادا کرتے ہیں، جسم پر اثر انداز ہونے والے تمام عناصر جیسے کہ حرارت خواہ وہ آگ سے حاصل ہو، سورج سے یا پھر مصنوعی بلب اور مصنوعی ذرائع سے اور اس کے علاوہ انسان کے اردگرد کا ماحول، معاشرہ وغیرہ یہ سب ڈی این اے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق ڈی این اے میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہے۔ انہیں تبدیلیوں کے ساتھ ڈی این ائے کی زیر نگرانی خلیے اور انہیں کے مطابق جسم وجود میں آتا ہے یا جسم میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ خلیے میں معمولی سی تبدیلی انسان میں بے شمار خامیوں، بیماریوں کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی طرح اگر خلیے میں کے نظام میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے جو کہ خوراک کی وجہ سے ہوتی ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔ بیماری انسان پر غالب آ جاتی ہے۔ خلیے کے نظام کا مستقل بگڑ جانا کینسر کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ آج دنیا میں شیطان کے غلاموں یاجوج اور ماجوج کے پاس بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ دنیا پر موجود انسان سمیت کئی مخلوقات کے ڈی این اے میں بہت حد تک جیسی چاہیں تبدیلی کریں اور وہ اس پر بہت تیزی سے کام بھی کر رہے ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہی علم ہے کہ خلیے کی دنیا میں موجود لاتعداد مخلوقات کی کیا کیا اور کتنی کتنی مقدار میں ضروریات ہیں اسی کے مطابق اللہ سبحان وتعالیٰ نے صرف حلال طیب خوراک میں وہ تمام ضروریات رکھ دیں ان کی مقدار بھی ان کی ضرورت کے مطابق۔ جب طیب خوراک جسم کا حصہ بنے گی تو جسم میں موجود تمام خلیوں کا نظام برقرار رہے گا ورنہ اگر طیب غذا استعمال نہ کی تو خلیوں کا توازن بگڑ جائے گا اور انسان طرح

طرح کی بیماریوں کا شکار رہو گا۔
خلیوں کے اندر دفاعی نظام جو کہ ہر اس مخلوق کا مقابلہ کر کے اسے ختم کرتا ہے جو خلیے اور اس سے وجود میں آنے والے جسم کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اس دفاعی نظام کی بھی اپنی ضروریات ہیں وہ بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے طیب خوراک میں رکھ دیں اور اگر طیب خوراک نہیں کھائی جائے گی تو لامحالہ خلیوں کا دفاعی نظام بھی کمزور رہو گا جس سے پھر وہی بات کہ خلیے کا توازن بگڑ جائے گا اور جسم بیماریوں کی زد میں آ جائے گا۔

جینیٹیکلی موڈیفائی اور گانزم سے تیار شدہ خوراک ڈی این اے میں بہت سی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے
جینیٹیکلی موڈیفائی اور گانزم کیا ہے؟ اس سے خوراک کیسے تیار کی جاتی ہے اور اس خوراک کے نقصانات سمیت باقی اٹھنے والے سوالات کے جوابات آگے آئیں گے۔ ان شاء اللہ
جینیٹیکلی موڈیفائی اور گانیزم سے تیار کی جانے والی خوراک میں انسان، سور اور بندر سمیت مختلف جانداروں کے جینز، ہارمونز بکثرت استعمال کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ سور اور بندر یا کسی اور جانور کے استعمال کیے جانے والے جینز انسانی ڈی این اے میں مستقل ٹھکانہ کر لیں اور انسان، انسان کی بجائے بندر، سور یا متعلقہ جانور بن جائے۔ یہ بلکل ممکن ہے اگر دنیا میں اس شیطانیت اور اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ اس شراکت کو روکا نہ گیا تو یہ دن ضرور آئے گا۔ اس سے آنکھیں چرانے والا کوئی جاہل ہی ہو سکتا ہے۔
یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انسان اور بندر کی ایک قسم جسے چمپینزی کہا جاتا ہے کے ۹۶ سے ۹۸ فیصد جینز مشترک ہوتے ہیں محض ۲ سے ۴ فیصد جینز انسان اور بندر کو الگ الگ شناخت دیتے ہیں۔ اگر بندر میں موجود وہ ۲ سے ۴ فیصد جینز انسان کے ڈی این اے میں ۲ سے ۴ فیصد سے تبدیل کر دیئے جائیں یا صرف ان کا نیوکلیئس انسان کے جینز کے نیوکلیئس میں داخل کر دیا جائے تو انسان مکمل طور پر بندر بن جائے گا اور اس کی آنے والی نسلیں بھی بندر ہی ہوں گی۔ اور اگر غلطی سے ان ۲ سے ۴ فیصد جینز کا محض کوئی ایک بنیادی عنصر انسان کے ڈی این اے میں داخل ہو گیا تو وہ اس ۲ سے ۴ فیصد کے فرق کو مٹا کر مکمل طور پر انسان کو بندر میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر انسان اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ شراکت کرتا رہا یا ہم نے اپنی ذمہ داری ادا نہ کی کہ صلاۃ قائم کی جائے یعنی دنیا میں اللہ کا دین قائم کیا جائے تو وہ دن دور نہیں جب انسانوں میں سے کچھ کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں میں تبدیل ہو جائیں۔
پھر اسی طرح سور یعنی خنزیر سے بنی کوئی بھی شئے انسان جب کھاتا ہے تو خنزیر کے ۹۸ فیصد جینز کا انسانی جسم میں تبادلہ ہوتا ہے یعنی یہ سمجھ لیں کہ خنزیر کی ۹۸ فیصد خصلتیں انسان میں آجاتی ہیں۔ شکل وصورت صرف انسانوں والی ہوتی ہے باقی سب کچھ خنزیر کا۔ پھر ایسا انسان کھلم کھلا زنا کیوں نہ کرے۔ پھر ایسے انسان کی غیرت کیوں نہ مر جائے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا عین ممکن ہے کہ بندر کی یہ قسم جسے چمپینزی کے نام سے جا تا جا تا ہے اور خنزیر یہ دونوں انسان اور مختلف جانوروں کے ملاپ سے پیدا کیے گئے ہوں اور یہ پہلی قوموں نے ایسا کیا ہو بلخصوص سیلاب سے پہلے نوح علیہ السلام کے وقت۔

الحمدللہ ہم نے پیچھے جان لیا کہ ہمارے جسم کی اکائی جو عمارت میں ایک اینٹ کی حثیت رکھتی ہے یعنی خلیہ، اس کا نظام کتنا پیچیدہ اور اس میں لاتعداد مخلوقات آباد ہیں۔ کیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایک خلیے میں میزان قائم کیا ہوا ہے نہ صرف خلیے میں بلکہ کیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر سطح پر میزان قائم کیا ہوا ہے۔ ہمارے ہی اپنے جسم کے اوپر اور جسم کے اندر کھربوں کی تعداد میں ایسی مخلوقات کو بسا دیا وہ سب کی سب ہماری محتاج ہیں۔ بلکل ایسے ہی جیسے اگر آپ کسی ایسے ریگستان میں پھنس جائیں جہاں دور دور تک کوئی آبادی اور سایہ وغیرہ نہ ہو اور اوپر سے سورج آگ برسا رہا ہو۔ آپ کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہ ہو اور بھوک، پیاس اور گرمی کی شدت سے آپ کی موت ہونے والی ہو تصور کریں ایسے وقت میں انسان کی حالت کیا ہوگی اور اس دوران وہاں کوئی ایسی ذات نمودار ہو جائے جس کے پاس یہ سب کچھ ہو تو اس وقت انسان صرف اور صرف اسی کا محتاج ہوگا اور وہ چاہے تو دے اور چاہے تو نہ دے۔ اور اگر وہ آپ کو سب دے کر آپ کی جان بچا لے تو وہ محسن کہلائے گا اور تصور کریں آپ کے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہوگی؟

بلکل ایسے ہی نہ صرف ہمارے جسم کے اندر اور باہر کھربوں کی تعداد میں مخلوقات ہماری محتاج ہیں بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی وہ تمام کی تمام مخلوقات جنہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس آسمان میں خلق کیا جن میں ہماری زمین ہے اور ہماری زمین کے اندر اور اس کے اوپر کی تمام کی تمام مخلوقات کسی نہ کسی طرح ہماری اسی طرح محتاج ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں ان کی ضروریات کا ذریعہ بنا دیا ہے انہیں انسان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ اگر ہم فطرت پر رہیں گے تو ہم بھی اللہ کی غلامی میں آجائیں گے یوں ان تمام مخلوقات پر ہمارا احسان ہوگا۔ چونکہ یہ سب اللہ کی غلامی ہیں تو جو اللہ کے غلاموں پر احسان کرے اللہ اس کا اجرا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔

ہمارے جسم کے ہر خلیے میں موجود کھربوں کی تعداد میں مخلوقات سب اللہ سبحان وتعالیٰ کی غلام ہیں۔ غلام کو عربی میں عبد کہا جاتا ہے جو کہ صیغہ واحد ہے اور اس کی جمع عباد ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے حقوق العباد پر بہت زور دیا ہے۔ انسانی جسم میں موجود یہ تمام مخلوقات اللہ سبحان وتعالیٰ کے عباد ہیں۔ ہم پر ان کے جو حقوق ہیں اگر ہم نے وہ پورے کیے تو ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کے ہاں محسن اور فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ ورنہ جب روز محشر اللہ سبحان وتعالیٰ کے یہ عباد یعنی یہ غلام اپنے حقوق کی پامالی پر آواز بلند کریں گے تو ہمیں اس کا جواب دینا ہو گا۔ یہ تمام مخلوقات ہماری محتاج ہیں یعنی ہمارے ذریعے ان کو ان کی ضروریات مہیا ہوں گی اور ضروریات کے معیار کا کنٹرول بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی اور اسی کے حکم کے مطابق خوراک استعمال کریں گے تو ہمارا ان تمام مخلوقات پر احسان ہوگا۔ ہم محسن کہلائیں گے۔

محسنین کے بارے میں قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے جوفرمایا اس حوالے سے چند آیات یہ ہیں۔

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ . البقرة ۱۱۲

بلکہ جو اپنا چہرہ اللہ کی طرف کر کے خود کو اللہ کے حوالے کر دے اور وہی ہے محسن پس اس کے لیے ہے اس کا بدلا اس کے رب کے پاس، اور نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ انہیں غم ہوگا۔

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ محسن کون کہلاتے ہیں محسن وہ کہلاتے ہیں جو اپنے چہرے صرف اور صرف اللہ کی طرف کر لیں اور خود کو اللہ کے حوالے کر دیں یعنی اللہ کی غلامی میں دے دیں۔ جب انسان خود کو اللہ کی غلامی میں دے گا تو اس کے اعمال اللہ کی مرضی کیمطابق ہوں گے یوں تمام وہ مخلوقات جن کا کسی نہ کسی سطح پر کسی بھی ذریعے انسان کیساتھ تعلق ہے اس پر احسان ہوگا۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے پھر جو احسان کرنے والے ہیں ان کے اجر کو اپنے ذمے لیے لیا۔ اور اس طرح احسان کرنے والے جب محشر کے روز اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا کیونکہ وہ آنکھوں سے لاتعداد مخلوقات کو دیکھ رہے ہوں گے جن پر دنیا میں انہوں نے احسانات کیے جو ان کے حق میں گواہی دینے کے لیے بیتاب ہوں گی۔ اس لیے انہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہوگا۔ خوف مستقبل میں پیش آنے والے خطرے کا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح انہیں کوئی غم بھی نہ ہوگا اور غم ماضی میں کیے ہوئے کسی غلط کام کا ہوتا ہے کہ کاش یہ نہ کیا ہوتا۔ جب دنیا میں کچھ ایسا غلط کیا ہی نہیں ہوگا تو پھر غم کس شئے کا۔
اور جو محسنین نہیں ہوں گے ان کی کیفیت نا قابل بیان ہوگی وہ اپنے سامنے لاتعداد ایسی مخلوقات کو پائیں گے جو ان کے خلاف گواہی کے لیے کھڑی ہوں گی۔

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا . النساء ۱۲۵

اور اس سے احسن دین کس کا جو اپنا چہرہ اللہ کی طرف کر کے خود کو اللہ کے حوالے کر دے اور وہی ہے محسن اور اتباع کی ملت ابراہیم کی جنہوں نے خود کو ہر طرف سے کاٹ کر صرف اللہ ہی کے لیے ہو گئے تھے۔

اس آیت میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے محسنین کی وضاحت کر دی کے محسن کون ہوتے ہیں۔ محسن وہ ہوتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کیا ہے وہ حنیف تھے یعنی ان کی زندگی کے ہر عمل، ہر معاملے میں حتیٰ کہ ہر لمحے سامنے اللہ سبحان وتعالیٰ ہی کی ذات ہوتی تھی۔ کسی بھی معاملے میں وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف رخ نہیں کرتے تھے۔ مزید صراحت سے جاننے کے لیے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے قرآن کی تمام آیات کو سامنے رکھنا ہوگا جس سے ہم پر ابراہیم علیہ السلام کی ملت بلکہ واضع ہوجائے گی ان کی سنت وسیرت واضع ہوجائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا پھر عملی نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔
پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اخذ کرلیا۔ کیوں اپنا خلیل اخذ کیا؟ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام محسن تھے اور جو بھی ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرتے ہوئے محسن ہونے کا ثبوت دے گا اللہ سبحان وتعالیٰ اسے بھی اپنا خلیل اخذ کرلیں گے اور روز محشر آخرت میں ابراہیم علیہ السلام و محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا کریں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ. النحل ۱۲۸

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تقویٰ والوں کیساتھ ہے اور ایسے وہ ہیں جو احسان کرنے والے ہوں

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ وہ ان کیساتھ ہے جو تقویٰ والے ہیں اور آگے بتادیا کہ تقویٰ والے وہ ہیں جو ہر لمحے محسن ہوں۔ پچھلے باب میں ہم نے صراحت کیساتھ جان لیا تھا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے تقویٰ کو حلال طیب کے ساتھ مشروط کر دیا۔ جو حلال طیب کھائے گا اس میں تقویٰ ہوگا اور جس میں تقویٰ ہوگا وہی اللہ کی غلامی اختیار کرے گا اللہ کی غلامی سے ہی وہ باقی تمام مخلوقات کے لیے محسن ثابت ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. العنکبوت ۶۹

اور ایسے جو جدوجہد کرتے ہیں ہم میں ہم رہنمائی کریں گے ان کی جو رستہ ہماری طرف آتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں اللہ ہے محسنین کے ساتھ کے لیے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے کھول دیا کہ جو اللہ میں جدوجہد کرتے ہیں یعنی جو اپنے رب کو پانا چاہتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اس کی، اللہ سبحان وتعالیٰ ضرور ایسوں کی راہنمائی کرتے ہیں اس راہ کی طرف جو اللہ کی طرف جاتی ہے۔ وہ جدوجہد کیا ہے اس کی وضاحت آیت کا اگلا حصہ

کر دیتا ہے کہ اللہ ہے محسنین کے ساتھ کے لیے۔ وہ جدوجہد ہے احسان کرنا۔ جو احسان کرنے والے ہیں اللہ انہیں کے ساتھ ہے۔ اور احسان کیا ہے الحمدللہ ہم بہت صراحت سے جان چکے ہیں بہر حال جیسے جیسے آگے بڑھیں گے تو مزید وضاحت ہوتی چلی جائے گی۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ. لقمان ۳

ہدایت یعنی رستہ دیکھانا، رہنمائی کرنا اور حفاظت کرنا محسنین کے لیے ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ ہدایت اور رحمہ محسنین کے لیے ہے۔ رحمہ کیا ہے اسے بھی پچھلے باب میں ہم سمجھ چکے ہیں۔ رحمہ ان پر ہوگی جو ہدایت یافتہ ہوں گے اور ہدایت کن کو ملے گی جو محسنین ہوں گے اور محسنین کون ہوں گے جو تقویٰ والے ہوں گے اور تقویٰ کن میں ہوگا جو حلال طیب استعمال کریں گے۔ جس طرح بھی غور وفکر کریں غذا ہمیں پورے دین کی بنیاد ہی نظر آئے گی۔ غذا حلال طیب نہیں تو انسان سرے سے ہی شیطان کی غلامی میں چلا جائے گا اور آسمانوں اور زمینوں میں فساد ہی کرے گا یا فساد کا ہی موجب بنے گا۔

اسی طرح یہ آگلی آیات ہیں۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ. الصفات ۱۰۹

سلامتی ہے ابراہیم علیہ السلام پر

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ . الصفات ۱۱۰

اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں محسنین کو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. البقرة ۱۹۵

اس میں کچھ شک نہیں اللہ حب کرتا ہے محسنین سے

حب۔ حب کو سمجھنے کے لیے مقناطیس کی مثال لے لیتے ہیں۔ مقناطیس کے دو ٹکڑوں کی مخالف اطراف کو جب آمنے سامنے کیا جائے تو وہ ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ کر چپک جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے درمیان وہ کیا تھا جس کی وجہ سے مقناطیس کے ٹکڑوں

نے ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچا۔ وہ کشش تھی ۔ اسے عربی میں حب کتے ہیں ۔کوئی ایسی قوت جو کسی شئے کو دوسری شئے کے ساتھ چپکا دے، جوڑ دے یا تعلق قائم کر دے۔ یا ایسی قوت جو ایک شئے کو دوسری شئے کے قریب ہونے پر مجبور کر دے۔
بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ محسنین سے حب کرتے ہیں۔ اور محسن کون ہوتے ہیں ہم نے جان لیا اس کے لیے بنیاد ہماری غذا ہے۔
حلال طیب غذا میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسی قوت رکھ دی جو انسان کو اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیتی ہے انسان کا تعلق اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے انسان اللہ کا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔
اور اگر حلال طیب کی جگہ خبیث اختیار کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا جیسے مقناطیس کو ایک ہی جنس کی اطراف سے آمنے سامنے کیا جائے تو دونوں ٹکڑے ایک دوسرے کو دور دھکیلیں گے لیکن اگر مقناطیس کو لوہے کے قریب کیا جائے گا تو اسے اپنی طرف کھینچ لے گا۔ بلکل اسی طرح جب خبیث انسانی جسم کا حصہ بنتا ہے تو وہ اسے اللہ سے دور اور دنیاوی مال ومتاع کے قریب کرتا ہے جس سے انسان نہ چاہتے ہوئے بھی دنیاوی مال ومتاع کے لالچ وحوس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور خبیث صرف گندی شئے کو نہیں کہتے ۔ جیسے طیب میں فطر، ازکیٰ اور طہر کے معنی یعنی قدرتی، صاف اور پاک کے معنی بھی موجود ہیں۔ اسی طرح خبیث میں نجس، گند اور غیر فطری یعنی وہ سب جو اللہ کے نظام کے علاوہ کسی اور طریقے سے بنایا گیا، خلق کیا گیا کے معنی بھی موجود ہیں۔
تو جب انسان مصنوعی اشیاء کو اپنے جسم کا حصہ بنائے گا تو وہ اشیاء اسے اللہ کے نہیں بلکہ مادیت کے قریب لے جائیں گی۔

آسمانون اور زمینوں میں تمام مخلوقات سوائے نافرمان جنون اور انسانوں کے اللہ سبحان وتعالیٰ کی عباد ہیں ان سب کے حقوق ہم پر ہیں۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم انسان اتنے خود غرض ہو چکے ہیں کہ ہمیں آسمانوں اور زمینوں میں انسانوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق نظر ہی نہیں آتی۔ اسی لیے ہم نے حقوق العباد کو صرف انسانوں پر منطبق کر دیا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ سبحان وتعالیٰ حقوق العباد کی بجائے حقوق الانسان کا ذکر کرتے۔
اللہ سبحان وتعالیٰ نے حقوق العباد کا کہا نہ کہ حقوق الانسان۔ ہاں البتہ انسانوں میں جو اللہ سبحان وتعالیٰ کے عباد یعنی غلام ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں گے۔ زمین کے اندر موجود تمام مخلوقات کے حقوق، زمین کے اوپر موجود تمام مخلوقت کے حقوق۔ مثلاً آکسیجن اللہ سبحان و تعالیٰ کی عبد ہے اس کے حقوق ہم پر یہ ہیں کہ جس مقصد کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسے خلق کیا ہم صرف اسی مقصد کے لیے اسے استعمال کریں اور جس طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کا طریقہ استعمال وضع کیا صرف اسی طریقے سے اس کا استعمال ہم پر فرض ہے۔ اس میں فساد نہ کریں اگر ہم ایسے کر رہے ہیں تو ہم اس کے حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔ اسی طرح زمین کے ہم پر حقوق یہ ہیں کہ ہم اس پر احسان کریں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں جس مقصد کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اسے خلق کیا صرف اسی مقصد کے لیے اسے استعمال کریں اور اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کریں اور اگر ہم اس کے برعکس کر رہے ہیں تو ہم اس کے حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔ اسی

طرح باقی تمام مخلوقات جواللہ کا غیب ہیں ان کے حقوق صرف اسی صورت پامال نہیں ہوں گے کہ ہم صرف ان پر ایمان لے آئیں یعنی یہ تسلیم کریں کہ یہ سب اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے انہیں کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور جس مقصد کے لیے خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں ان کی لائن یعنی ان کو ذمہ داری ادا کرنے پر لگا دیا اس لیے ہم ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کچھ کیا تو پھر یہ اپنی لائن سے ہٹ جائیں گی جس سے وہ مقصد پورا نہیں ہوگا جس کے لیے انہیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے خلق کیا اور پھر آسمانوں اور زمینوں میں تباہیاں برپا ہوں گی۔ صرف اللہ کی غلامی اختیار کرنے سے ہی ان تمام مخلوقات کے حقوق ادا ہوں گے جن کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے کسی بھی صورت ہم سے چھپا دیا۔ جو بھی محکم نہیں اور متشابہات ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا . الرعد ۱۵

اور اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں خوشی سے اور کراہت سے

اس آیت میں ایک تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب نے خود کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے یعنی جو حکم انہیں اللہ نے دیا صرف اسی پر عمل کرتے ہیں لیکن آیت کے اگلے حصے میں بہت ہی عجیب بات ہے کہ خوشی سے یا کراہت سے۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ جب تمام کی تمام مخلوقات اللہ کی عباد یعنی غلام ہیں اور اللہ اپنے غلاموں کو ایسا حکم دے جس میں ان کے لیے ناگواری ہو۔ اللہ تو سبحان ہے۔ کراہت اس میں ہوتی ہے جو کسی کے لیے نقصان دہ ہو اور اس کام پر مجبور کیا جائے۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ ایسے نہیں کہ کسی بھی مخلوق کو وہ حکم دیں کہ جس میں اس کا یا اس کے علاوہ کسی اور کا نقصان ہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس کی وجہ سے اللہ کی مخلوقات کراہت سے اللہ کے لیے سجدے میں ہیں۔

وہ انسان ہے کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو انسان کے تابع ہونے کا حکم دیا تھا اور انہیں انسان کے تابع کر دیا اور انسان ان سے وہ کام لیتا ہے جس میں نہ صرف ان کا اور باقی سب کا نقصان ہوتا ہے بلکہ اس میں اللہ سے بغاوت ہوتی ہے۔ انہیں چونکہ اللہ نے حکم دے دیا کہ انسان کا ہر حکم ماننا ہے تو جب انسان انہیں ایسے حکم دیتا ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے جس سے فساد ہوتا ہے تو وہ مخلوقات کراہت سے کرتی ہیں۔ اب اس کا ذمہ دار انسان ٹھہرے گا۔ اور روز محشر اسے اس کا حساب دینا پڑے گا۔ وہ تمام مخلوقات روز محشر اس کے خلاف کھڑی ہوں گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ . الحج ۱۸

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ ہے اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج، اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور پانی سے خلق کی گئی مخلوقات اور بہت سے لوگوں سے۔

وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ. الانبياء ۱۹

اور اسی کا ہے جو آسمانوں میں اوت جو زمین میں ہے اور اس کے پاس ہیں نہیں تکبر کرنے والے اس کی غلامی سے اور نہ ہی حسارہ کرنے والے ہیں۔

جب آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات اللہ کی غلامی میں تکبر نہیں کرتیں یعنی اپنی مرضی نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی خسارہ کرتی ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیماریاں، تباہیاں، زلزلے، طوفان، سیلاب وغیرہ کیوں آتے ہیں؟
مثلاً اگر سمندروں میں موجود مخلوقات مردہ ہو کر سطح پر یا کنارے پر آجائیں جو کہ آج ہو رہا ہے تو ظاہر ہے یہ اسی وجہ سے ہوا کیونکہ سمندر نے اپنے اندر کوئی ایسی تبدیلیاں کیں جس سے ان کا اس میں زندہ رہنا ناممکن ہو گیا۔ لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور وہ اس کی غلامی میں اپنی مرضی نہیں کرتے اور نہ ہی خسارہ تو پھر یہ تباہی کیسے آگئی؟
یہ تباہی اس لیے آگئی کہ انسان نے اللہ کے غلاموں کو اللہ کے علاوہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا۔ اللہ کے ساتھ شریک بنا اللہ کے مقابلے پر انہیں احکامات دیئے۔ کیونکہ اگر انہیں اللہ کے احکامات ہی دیئے جاتے تو کبھی بھی کائنات میں عیوب پیدا نہ ہوتے کیونکہ اللہ سبحان ہے۔ چونکہ اللہ نے تمام مخلوقات کو انسان کے تابع کر دیا تو پھر انسان ہی ہے جس نے انہیں ایسے کاموں پر مجبور کیا جس سے یہ فساد ہوا۔ یہ تمام کی تمام آیات بہت ہی لرزا دینے والی ہیں۔ یہ انسان کے لیے آئینہ ہیں اگر انسان نے اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک کیا اس کے کاموں میں مداخلت کرتا رہا تو بہت جلد قیامت کی شکل میں ایک بڑی تباہی اس پر مسلط ہوگی اور روز محشر اسے اس کا جواب دینا ہوگا۔ اور اپنے کیے کا بدلہ بھی لینا ہوگا۔ اللہ سبحان ہے وہ اپنی ہی خلق کو کبھی بھی تباہ نہیں کرتا اس لیے قیامت کا ذمہ دار اللہ نے انسان ہوگا۔ تباہی تب ہی آتی ہے جب خرابی ہو اور خرابی تب ہوتی ہے جب بنانے میں کوئی خامی رہ جائے۔ اللہ تو سبحان ہے اس نے تو خلق کرنے میں کوئی خامی

نہیں چھوڑی تو پھر خرابیاں اور تباہی کا ذمہ دار تو ظاہر ہے وہی ہوگا جس کے پاس اختیار رہوگا۔اور وہ انسانوں اور جنات کو دیا گیا۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ . الانبیاء ۲۰

جیسا کرنے کا حکم دیتا ہے فوراتیزی سے اس پر عمل کرتے ہیں دن اور رات نہیں افتراء کرتے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَا تَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ . النور ۴۱

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ ہے جیسے ہی اور جو بھی انہیں حکم دیتا ہے فوراً تیزی سے اس پر عمل کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور فضا میں تیرنے والے صفوں میں۔سب کو علم ہے ان کی صلاۃ کا اور کیا انہیں کرنے کا کہا گیا ہے

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. الروم ۲۶

اور اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لیے قناعت کرتے ہیں

قناعت کہتے ہیں کہ کسی کو اس کی جو ضروریات ہیں وہ پوری نہ ملیں یا ملیں ہی نہ اور جو ملیں انہیں پر انحصار کرنا یا نہ ملیں تو بھی کوئی تقاضہ نہ کرنا بلکہ صبر کرنا۔اب ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ خود کسی مخلوق کو اس کی جو ضروریات ہیں اس سے کم عطا کریں یا عطا کریں ہی نہ کیونکہ اس میں حمد نہیں ہے اور اللہ، سبحان ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے حمد نہ ہو۔اللہ کے لیے صرف حمد ہے۔

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسا کیوں کہا کہ آسمانوں اور زمین جو بھی ہیں وہ سب اسی کے لیے قناعت کرنے والی ہیں؟

ایسا اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس لیے کہا کیونکہ وہ سب کسی نہ کسی صورت انسان کی محتاج ہیں اگر انسان اللہ کی بجائے اپنی مرضی کا استعمال کرے گا۔اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے گا تو اللہ کی مخلوقات کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بنے گا۔اللہ کی مخلوقات کو ان کی ضروریات پوری مہیا نہیں ہوں گی اور بہت سی ایسی مخلوقات بھی ہوں گی جن کو تو سرے سے ان کی ضروریات مہیا ہی نہیں ہوں گی اس لیے وہ سب اللہ ہی کے لیے قناعت کر رہی ہیں لیکن صرف اس دنیا کی حد تک آخرت میں وہ اپنے حقوق کی خاطر اللہ کے سامنے انسان کے خلاف کھڑی

ہوں گی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. الحشر ۱

جیسے ہی اور جوانہیں حکم دیا جاتا ہے فوراً تیزی سے اس پرعمل کرتے ہیں اللہ کے لیے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الحشر ۲۴

جو بھی وہ خود تیزی سے عمل کررہے ہیں اسی کے لیے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الحدید ۱

جیسے ہی اور جوانہیں حکم دیا جاتا ہے فوراً تیزی سے اس پرعمل کرتے ہیں اللہ کے لیے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

جینیٹیکلی موڈیفائی اورگانزم کیا ہے؟اس سے خوراک کیسے تیار کی جاتی ہے اوراس خوراک کے نقصانات

جینیٹکلی موڈی فائی اورگا نیزم ہے کیا اسے ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔مثال کے طور پر آپ ایک ایسا کتا تخلیق کرنا چاہتے ہیں جس کا قد بلی کے برابر ہو۔ آپ بلی کے ڈی این اے جو کہ کئی ہزار جینز کا مجموعہ ہوتا ہے میں سے متعلقہ جین جس میں بلی کے قد کا سائز ہوتا ہے یعنی وہ جین خلیوں کو اپنی نگرانی میں بڑھاتا ہے۔جیسے ایک انجینئر بتاتا ہے کہ فلاں کمرے کا سائز کیا ہونا چاہیے وہ آگاہ کرتا ہے اور کاریگر اسی کے مطابق عمل کر کے کمرہ تیار کرتے ہیں۔بلکل اسی طرح جین میں موجود ہوتا ہے کہ اس بلی کا قد کتنا ہوگا جس کے لیے کس رفتار سے خلیے کام کریں گے تو وہ نتائج حاصل ہوں گے۔بلی کے ڈی این اے سے وہ جین حاصل کر کے کتے کے ڈی این اے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی کتے کا وہ اصل جین نکال کر اس کے جگہ بلی کا جین رکھ دیا جاتا ہے یوں اس سے وجود میں آنے والے کتے کا قد بلی کے برابر ہوگا۔یعنی کتے اور بلی دونوں کی متعلقہ خصوصیات اس میں پائی جائیں گی۔اسی طرح دو سے زائد اشیاء کو ان مراحل سے گزار کر ایک نئ مخلوق تیار کی جاتی ہے۔

فرض کریں ایک ایسا انسان وجود میں لانا ہو جس کے ہونٹ بندر کے مشابہ ہوں، یا مختلف اعضاء مختلف جانورں کے مشابہ ہوں تو ان تمام جانورں سے متعلقہ جینز حاصل کر کے انسان کے ڈی این اے میں داخل کیا جائے گا اس سے وجود میں آنے والا انسان ان تمام خصوصیات کا حامل ہوگا۔

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کو اس عمل کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ دنیا کی آبادی جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اگر ہم فطرت پر انحصار کریں گے تو دنیا کی ۹۰ فیصد سے زیادہ آبادی خوراک سے محروم ہو جائے گی۔یعنی نعوذ باللہ اللہ جو انسانون کا بھی خالق ہے وہ اپنی خلق کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا (اعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) جس کے تدارک کے لیے ہمیں سائنسی طریقے جینیٹکلی موڈیفائی اورگا نیزم پر انحصار کرنا ہوگا۔جہاں جتنے وقت اور جتنی محنت سے ایک ٹماٹر قدرتی طور پر اگتا ہے اس سے کم وقت اور اس سے کم محنت میں ایک کی بجائے بیس ٹماٹر اگائیں جائیں۔جہاں ایک مچھلی چھ ماہ میں بڑی ہو ہمیں چھ کی بجائے اس سے کئی گنا کم وقت میں اس سے بیس گنا بڑھی مچھلی بنالیں۔اسی طرح اور جتنی بھی انسانی غذائی ضروریات ہیں یا جن جانداروں کا انسانی غذا سے تعلق ہے۔

اب سکھنے اور سننے میں تو یہ بہت زبردست اور قابل تعریف عمل لگتا ہے اور انسانوں کی اکثریت اس کے حق میں بھی ہے اور باقاعدہ اپنی زندگیوں کا حصہ بنا چکی ہے لیکن اس کے نقصانات کیا ہیں ہمیں وہ جاننے ہوں گے۔

جیسے ایک مچھلی جو بہت پسند کی جاتی ہے اور زیادہ کھائی جاتی ہے جو ایک مخصوص مدت میں ایک مقررہ سائز تک بڑھی ہوتی ہے اب ایک ایسی مچھلی جو اس سے کئی گناہ زیادہ بڑھی ہوتی ہے سے متعلقہ جین یعنی اس کے قد وقامت کا جین حاصل کر کے پہلی مچھلی کے ڈی این اے میں

داخل کر دیا جاتا ہے اس کے علاوہ ایک تیسری مچھلی جو کم مدت میں بڑی ہوتی ہے اس سے بھی متعلقہ جین حاصل کر کے پہلی مچھلی کے ڈی این اے میں داخل کر دیا جاتا ہے جس سے بہت کم مدت میں ایک بڑی مچھلی تیار ہو جاتی ہے جو خوبخو اس مچھلی کی طرح ہوتی ہے جو زیادہ پسند کی جاتی ہے جس کے ڈی این اے میں بڑی مچھلی کا جین داخل کیا گیا۔ اب اس کا جو سب سے بڑا نقصان ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر اگر آپ کے جسم میں سے دل نکال کر ایک ایسا دل لگا دیا جائے جس کا سائز اور رفتار حد سے زیادہ ہو تو اس کے جسم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

یعنی جیسے اگر آپ ۵۰ کلو وزن اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن آپ پر ۵۰ کی بجائے ۲۵۰ کلو وزن لاد دیا جائے تو آپ کی کیا حالت ہو گی۔ بلکل ایسے ہی نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔

جینیٹیکلی موڈیفائی کا مخفف ہے جی ایم او جس کے معنی یہ بھی لیے جاتے ہیں گاڈ موؤ اوور (GMO, God Move Over) یعنی ایسی شئے جس پر سے اللہ ہٹ جائے۔ آسان الفاظ میں ایسی شئے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی خلق کی ہوئی ہو۔

جس شئے کو اس سائنسی طریقے سے خلق کیا جاتا ہے اس میں موجود نظام کا توازن بگڑ چکا ہوتا ہے۔ اب غیر متوان شئے جب آپ کے جسم کا حصہ بنے گی تو وہ آپ کے جسم کا توازن بھی بگاڑ دے گی۔ کیونکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کے لیے اور زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ با قائدہ علم وحکمہ کیساتھ تخلیق کیا جس سے ایک توازن قائم کیا ا۔ جیسے اگر انسان کی ضرورت ایک سیب ہے تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے سیب میں وہ تمام اجزاء رکھ دیئے جن کی انسانی جسم کو ضرورت ہے اب نہ صرف وہ تمام رکھ دیئے بلکہ ان کی کتنی کتنی مقدار کی ضروت ہے وہ بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے اتنی اتنی ہی رکھی۔ جیسے اگر آپ ایک نیند کی گولی استعمال کریں گے تو اس سے نیند آئے گی اور اگر اس کی جگہ دس یا بیس استعمال کریں گے تو اسی کے مطابق جسم پر اثرات مرتب ہوں گے موت بھی ہو سکتی ہے۔

یا جیسے ایک گاڑی کے ہر پرزے کا اپنا ایک سائز ہوتا ہے اگر کسی پرزے کا سائز کم یا بڑھا دیا جائے تو اس کے گاڑی پر نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے وہ اس کے سائز کی تبدیلی پر منحصر ہوگا۔ بلکل اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے غذا میں بھی اسی طرح توازن قائم کیا۔ کس فروٹ، کس سبزی، کس کس دال میں کتنے کتنے اجزاء درکار ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے اتنے اتنے ہی رکھے اور اگر ہم ان میں تبدیلی کریں گے تو لامحالہ اس کو نقصان دہ اثرات جسم پر مرتب ہوں گے۔

تو اس سائنسی طریقے جینیٹکلی موڈی فائی اوگانزم کے ذریعے جو بھی اگایا یا بنانا جا رہا ہے ان سب کا توان بگڑا ہوا ہے۔ جب انسان ایسی خوراک استعمال کرے گا تو جسم پر بھی اسی طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ یعنی اگر ہڈیوں کی ضرورت انہیں حد سے کم اور گوشت کو حد سے زیادہ ملے گی تو ہڈیاں کمزور اور انسان فربہ ہو جائے گا۔ پھر اس کے سبب جسم کو مزید نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

الحمدللہ ہم نے کوشش کی کی نہایت آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ باقی آپ کے لیے غور وفکر کے دروازے کھلے ہیں آپ جیسے جیسے غور وفکر کرتے چلے جائیں گے تو حیران کن معلومات حاصل ہوتی جائیں گی۔

جیسا کہ ہم نے جان لیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے خوراک میں توازن یعنی المیزان قائم کیا ہوا ہے۔اور ہمیں حکم دے دیا کہ میزان میں خسارہ مت کرو۔اورانسانوں کی اشیاء یعنی انسان کے استعمال کی اشیاء میں بھی بگاڑ مت کرو۔جیسا کہ ان آیات میں واضع ہے

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ. البقرة ۲۰۵

اور جب پھرتا ہے تو سعی کرتا ہے زمین میں فساد کرنے کے لیے اس میں اور تباہ و برباد کرتا ہے فصلوں اور نسل کو اور اللہ نہیں حب کرتا فساد سے

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ . هود ۸۵

اور نہ تبخسو کرو لوگوں کو ان کی اشیاء، اور نہ پھرو ارض میں فساد کرتے ہوئے

وَلَا تَبْخَسُوا اس کے شروع میں ''ت'' آ گیا جو کہ ذہن میں ہونا چاہیے۔بخو اس کے معنی ہیں کہ کسی بھی شئے میں کوئی تبدیلی، کمی، زیادتی یا ملاوٹ وغیرہ کر کے شئے کو نقصان دہ بنا دینا۔

مُفْسِدِیْن۔ فسد اس کا مادہ ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی شئے میں کوئی ایسی تبدیلی کر دینا جس سے اس میں خرابی پیدا ہو جائے جس کی وجہ اس شئے میں تباہی واقع ہو گی خواہ جلدی واقع ہو یا دیر سے۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىکُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ. هود ۸۴

اور کسی کے کہنے پر نہ نقص پیدا کرو المکیال اور المیزان میں، اس میں کچھ شک نہیں میں دیکھتا ہو تمہیں خیر کیساتھ۔اور اس میں کچھ شک نہیں مجھے خوف ہے تمہارے اوپر ایسی سزا کے یوم کا جو تمہیں ہر طرف سے گھیر لے

وَ يٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ . هود ۸۵

اور اے میری قوم پورا کرو المکیال اور المیز ان کو قسط کے ساتھ اور نہ کسی کے کہنے پر خسارہ کرو لوگوں کا ان کی اشیاء اور نہ پھرو ارض میں فساد کرنے والے۔

انسانوں کی اشیاء میں کیسے نقص کیا جا رہا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں جینیٹکلی موڈیفائی اور گانزم سے تیار شدہ خوراک کو سمجھنا ہوگا۔
اس وقت دنیا میں انسانوں کو جو سب سے بڑے خطرے کا سامنا ہے وہ ہے جی ایم او۔ جی ایم او کیا ہے؟ یہ مخفف ہے جینیٹکلی موڈی فائی اور گانیزم کا۔ کسی ایک شئے کے جینز لیکر کسی دوسری شئے کے ڈی این اے میں زبردستی داخل کیے جاتے ہیں۔ جس شئے کے ڈی این اے میں دوسری شئے کے جینز زبردستی داخل کیے جاتے ہیں بلکل اسی طرح کی ایک تیسری شئے وجود میں آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک مچھلی کے ڈی این اے میں خنزیر کے جینز داخل کیے اس ڈی این اے سے وجود میں آنے والی مچھلی نظر آنے میں تو بلکل اسی طرح کی مچھلی ہوگی اور عام انسان جس کے پاس علم نہیں ہوگا وہ اسے وہی مچھلی سمجھتا اور سمجھ رہا ہوگا لیکن حقیقت اس کے بلکل برعکس ہوتی ہے۔ وہ ایک تیسری مخلوق ہوتی ہے جو پہلی کے خوبخو مشابہ ہوتی ہے اسے تیسری مخلوق کا نام وہی دے سکتا ہے جس کے پاس علم ہوگا ورنہ اس کو پہچاننا انتہائی مشکل ہے۔ جینیٹکلی موڈیفائی اور گانزم سے پیدا کیے جانے والی فصلوں کی حقیقت یہ ہے کہ جیسے ایک انسان کسی بیماری کی وجہ سے پھول جائے۔ بلکل اسی طرح اس طریقے سے پیدا کی جانے والی فصل صرف سبز گیسوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور یہ گیسیں بنیادی طور پر دنیا میں حیات کے لیے ٹائم بم اور زہر کی حثیت رکھتی ہیں۔ ایسی فصلیں کسی بھی اجزاء سے خالی ہوتی ہیں جو انسانی جسم کی ضرورت ہوتے ہیں۔
کسی بھی شئے میں سبز گیسوں کی مقدار کم یا زیادہ ہونے سے لاحق ہونے والے نقصانات کو سمجھنے کے لیے ہمیں potential hydrogen پوٹینشیئل ہائیڈروجن کو سمجھنا ہوگا جس کا مخفف پی ایچ کہلاتا ہے potential hydrogen کی سطح صفر سے ۱۴ تک ہوتی ہے کسی بھی شئے کی قدرتی potential hydrogen سطح سات ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شئے کی پی ایچ سطح سات سے نیچے چلی جائے تو جتنا نیچے جائے گی اتنی ہی تیزابیت کی مقدار بڑھتی جائے گی اور وہ تیزابیت اس شئے کو نقصان پہنچائے گی اور اگر پی ایچ سطح سات سے بڑھ جائے گی تو شئے میں تیزاب کی مقدار حد سے کم ہو جائے گی جس سے شئے گل سڑ کر تباہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر لوہے کا پی ایچ سات سے بڑھ جائے تو اس میں تیزاب کی مقدار کم ہو جائے گی جس کی صورت میں وہ زنگ لگنے سے بے کار ہو جائے گا اور اگر پی ایچ سطح سات سے نیچے چلی جائے تو اس میں تیزابیت کی مقدار حد سے بڑھ جائے گی جس کے نتیجے میں لوہے کی سختی کم ہو کر وہ بے کار ہو جائے گا۔
جینیٹکلی موڈیفائی او گانزم سے پیدا کی جانے ولی تمام اشیاء کی پوٹینشیئل ہائیڈروجن سطح سات سے اوپر ہوتی ہے یہاں تک کے ۱۰ سے اوپر

اور چودہ کے قریب ہوتی ہے جس کا مطلب کی ان اشیاء میں اجزاء کی جگہ بھی یہ مضر گیس ہی بھری ہوتی ہے جو نہ صرف کھانے والے کے لیے بیماریوں اور موت کا سبب بنتی ہیں بلکہ اس سے آب وہوا بھی متاثر ہوتی ہے اور زمین پر اس کے گہرے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسی فصلوں کو کھانے والے جاندار جن میں مختلف خشرات وغیرہ اور شہد کی مکھیاں وغیرہ موت کا شکار ہوجاتی ہیں اور باقی جانور مختلف بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں جن میں سے بعض موت کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اگر آپ عملی طور پر ایک تجربہ کریں ایک امرود ہر لحاظ سے قدرتی لیں اور دوسرا جینیٹیکلی موڈیفائی۔ دونوں کو کہیں رکھ دیں کچھ دنوں بعد قدرتی امرود خشک ہوکر پتھر کی طرح سخت ہو چکا ہوگا جبکہ جینیٹیکلی موڈیفائی امرود گھل سڑھ کر اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں گی۔ اس سے آپ دونوں میں واضع فرق دیکھ سکیں گے۔ اس کے گھلنے سڑنے کی وجہ اس کے پی ایچ کی سطح کا سات سے اوپر ہونا ہوگی اور کیڑوں کا پیدا ہونا وہ بیکٹیر یا باعث بنیں گے جن کے ڈی این اے سے جینز لیکر اس فصل کے ڈی این اے میں میں داخل کیے گئے۔

جنوری ۱۹۹۹ میں فرانسسکو امریکہ میں دنیا کی سب سے بڑی کمپنی مونسانٹو نے بائیوٹک کانفرنس کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں کو مشاورت کے لیے مدعو کیا۔ اس میں بتایا گیا کہ مونسانٹو کیسے کام کرتی ہے اور اس کا ایجنڈا کیا ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا کہ ہمارا ایجنڈا یہ ہے کہ ۲۰۵۰ تک مکمل طور پر فطرت کو تبدیل کرنا جس کے لیے ہمیں ایک پالیسی اور پلاننگ کی ضرورت ہے جو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں اور صرف پانچ سال میں پوری دنیا میں خوراک کے بیجوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ قدرتی بیجوں کی جگہ ہمارے genetically modified organism بیج ہوں گے۔ یہ بیج مونسانٹو سمیت کیمکلز بنانے والی ان کمپیوں کے ذریعے بیچے جائیں گے جو کمپنیاں مونسانٹو سے جڑی ہوں گی۔ یعنی ان کمپنیوں کے ذریعے جن کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا تھا اور مونسانٹو سے اشتراک کریں گی۔ اور ہمارا کام صرف بیجوں تک محدود نہیں ہوگا بلکہ ہر وہ شئے جو اس دنیا میں موجود ہے اس کی فطرت میں تبدیلی سے ہی ہم اپنے مقاصد حاصل کر پائیں گے۔ ہم اِس وقت تک دنیا کے تین ممالک میں بہت بڑی ناقابل یقین تعداد میں جینٹکلی موڈی فائی مچھر بھی چھوڑ چکے ہیں۔

ہمارا اصل نشانہ پوری دنیا کے ۹۵ فیصد وہ کسان ہوں گے جو بازار سے بیج خریدنے کی بجائے ہر سال اپنی فصل سے محفوظ کردہ بیجوں پر انحصار کرتے ہیں۔ جس کے لیے ہماری پالیسی میں یہ ہے کہ انہیں مجبور کر دیا جائے گا کہ وہ صرف ہماری کمپنیوں کے ہی جینٹکلی موڈی فائی بیج خریدیں۔

اس کے لیے ہم ایسے اقدامات کر رہے ہیں کہ وہ تمام کسان خود بخود ہمارے ہی بیجوں پر انحصار کریں گے۔ جس کے لیے میڈیا ہمارا موثر ترین ہتھیار رہوگا۔ میڈیا کی رسائی ہر گھر تک ممکن بنا دیں گے۔ جو ہمارا سب سے موثر ترین ہتھیار رہوگا۔

جیلاٹن، جیلا ٹائین یا جلاٹین۔

یہ سور کے گوشت سے تیار کی جاتی ہے اور سور کو قرآن مین اللہ سبحان وتعالیٰ نے واضع حرام قرار دیا ہے۔ بچوں کے کھانے کی تقریباً ۹۹ فیصد اشیاء میں استعمال کی جاتی ہے اور ایلو پیتھک ادویات کے کیپسول کے خول بھی سور کی جیلاٹین سے تیار کیے جاتے ہیں۔

کیسے تیار کی جاتی ہے؟

سب سے پہلے سور یعنی خنزیر کی کھال لی جاتی ہے اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیا جاتا ہے ہر ٹکڑے کا سائز تقریباً ۳ مربع سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ یا موٹے سائز کا قیمہ بنالیا جاتا ہے اس کے بعد خنزیر کے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں یا قیمے کو پانی میں ڈال کر کچھ وقت ایک محصوص درجہ حرارت پر پکایا جاتا ہے جس سے کھال کے قیمے میں موجود تمام اجزاء نکل کر پانی میں داخل ہوجاتے ہیں یعنی سُوپ بن جاتا ہے۔ سوپ کو برتن میں ڈالا جاتا ہے ٹھنڈا ہونے پر کھال کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے اور چربی اوپر آ کر جم جاتی ہے یوں تین تہیں وجود میں آ جاتی ہیں۔ اوپر چربی اس کے نیچے سُوپ اور سب سے نیچے گھلی ہوئی کھال۔

چربی کو اتار کر اس کو مختلف مصنوعات میں استعمال کیا جاتا ہے باقی سُوپ کو کھال کے گھلے ہوئے قیمے سے الگ کر کے ایسے فلٹر کیا جاتا ہے کہ سُوپ میں گوشت کا کوئی ذرہ تک نہ رہے۔ اس کے بعد اسے جدید ترین ایسے مراحل سے گزارا جاتا ہے کہ اس میں موجود نمکیات کو بھی نکال دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پیچھے ایسا پانی رہ جاتا ہے جو بلکل بے ذائقہ ہوتا ہے۔ پھر اس پانی کو ایک محصوص درجہ حرارت پر پکایا جاتا ہے جس سے اس میں لیس دار مادہ پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے حتیٰ کہ وہ گاڑا ہوجاتا ہے بلکل ایسے جیسے میدے کو پانی میں ملا کر پکانے سے گاڑی لیوی بن جاتی ہے۔

اس کی موٹی سوئیاں بنا کر انہیں خشک کر لیا جاتا ہے جس کے بعد ان سوئیوں کو پیس کر آٹا بنالیا جاتا ہے۔ اس آٹے کو جلاٹین کہا جاتا ہے۔ اس سے بچوں کے کھانے کی اشیاء جو بچوں کو بہت پسند ہوتی ہیں تیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً جلیز، ٹافیاں، کیکس، پیسٹریاں، آئس کریم، چاکلیٹس وغیرہ حتیٰ کہ بچوں کے کھانے کی ۹۹ فیصد اشیاء سمیت کوکا کولا، پیپسی، مرنڈا، شیزان اور جوسسز میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مشروبات وغیرہ کو گاڑھ کرنے کے لیے بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے جام شریں اور روح افزاح اور اس سے ملتے جلتے مشروبات۔

یہ بلکل ایسی ہی شئے ہوتی ہے جیسے کہ جسم کے کسی حصے پر زخم ہونے کے کچھ وقت بعد وہاں سے پانی نکلتا ہے جو جم کر خرینڈ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اگر اس خرینڈ سے رنگ نکال کر پیس لیا جائے تو وہ جیلاٹین کہلائے گی۔ آپ اس سے با آسانی جیلیز وغیرہ بنا سکتے ہیں۔ اور ذرہ تصور کیجیئے ہم اپنے بچوں کو کیا کھلا رہے ہیں سور یعنی خنزیر کا پیپ۔ سو جن کو پیپ اتنا پسند ہے اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں آخرت میں بھی جہنم میں پیپ ہی پلائیں گے وہ اس لیے کہ تم دنیا میں پیپ کو اتنا پسند کرتے تھے سو آج بھی یہی پیو اور کھاؤ۔

اس کے علاوہ جیلاٹین ہڈیوں سے بھی بنائی جاتی ہے۔ پاکستان میں ملنے والی جیلاٹین کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان میں تیار کی جاتی ہے جو کہ بلکل غلط ہے۔ پاکستان میں ساری کی ساری جیلاٹین چین سے برآمد کی جاتی ہے اور چین میں جیلاٹین زیادہ تر جانوروں کی ہڈیوں سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ہڈیاں زیادہ تر ایشیائی ممالک سے چین درآمد کی جاتی ہیں۔ جہاں ان سے جیلاٹین تیار کی جاتی ہے۔ یہ ہڈیاں ہر قسم کے مردار، حرام جانوروں کی بھی ہوتی ہیں۔ جن میں کتے، گدے، گھوڑے، خچر، گھائے، بھینس، سور سمیت مردہ جنگلی جانوروں کی ہوتی ہیں۔

جہاں قدرتی طریقہ سے ایک مرغی سال جتنی بڑی ہوتی ہے فارمی مرغی اتنی ہی بڑی صرف ۴۲ دن میں کی جاتی ہے نہ صرف اتنی بڑی بلکہ اس سے دو یا تین گنا بڑی کر لی جاتی ہے۔ اور سب سے پہلی اس مرغی کو پیدا کرنے کے جو مراحل ہیں وہ طیب نہیں وہ فطرت کی بجائے مصنوعی یعنی دجالی ہیں اس کے بعد اس کو دی جانے والی خوراک انتہائی خبیث ہوتی ہے۔ کوئی بھی شئے جو اپنی مقررہ مدت سے پہلے بڑی کی جاتی ہے اس میں گروتھ ہارمونز داخل کیے جاتے ہیں اور گروتھ ہارمونز پوری دنیا میں سب سے زیادہ یعنی ۹۹ فیصد سے زیادہ سور سے حاصل کیے جاتے ہیں اور ان ہارمونز کا استعمال مرغیوں کی خوراک میں لازم کیا جاتا ہے خواہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ تیسری دنیا کے ممالک میں سور سے حاصل ہونے والے گروتھ ہارمونز کی جگہ سور کا گوشت اور خون استعمال کیا جاتا ہے۔
مرغیوں کی دی جانے والی خوارک زیادہ تر حرام مردار جانوروں کے گوشت سے بھی تیار کی جاتی ہے۔ اس کا آپ عملی طور پر تجربہ کر کے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ فارمی مرغی کے گوشت کو کچھ دنوں کے لیے رکھ دیں تو اس میں لاتعداد کیڑے اور انتہائی غلیظ بدبو پیدا ہو جائے گی لیکن اس کے برعکس اگر آگ قدرتی طور پر پیدا اور بڑھی ہوئی دیسی مرغی کا گوشت رکھیں تو اس میں کیڑے پڑنے کی بجائے وہ خشک ہو جائے گا اور اس میں کسی قسم کی بو اور کیڑوں کا کوئی آثار نظر نہیں آئے گا

سوڈیم فلورائڈ استعمال کیا جاتا ہے، ادویات، کھانے کی اشیاء اور پانی میں۔ یہ حیات کے لیے انتہائی مضر ہے۔ یہ چوہے مارنے والے زہر میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہڈیوں کو نقصان پہنچاتا ہے یعنی اس سے ہڈیوں کا کینسر ہوتا ہے۔
دنیا کے بہت سے سائنسدان اور اہل علم جینیٹکلی موڈیفائی فوڈ جس کا مخفف جی ایم او بنتا ہے اس سے مراد گاڈ مووا اور God Move Over لیتے ہیں۔ جس پر سے اللہ ہٹ گیا۔ یعنی یہ کام اللہ کے علاوہ کسی اور کا کیا ہوا ہے۔ میں بذات خود نہ صرف اس سے متفق ہوں بلکہ میں خود یہی سمجھتا اور کہتا ہوں۔

آکسیٹوسین ۔ یہ ہارمونز کا نام ہے۔ یہ کیمیکل جانوروں سے زیادہ دودھ حاصل کرنے کے لیے ان کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا میں اس کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے۔ ہامرے معاشرے میں بھی اس کا استعمال بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ اسے دودھ کے لیے جانوروں کا ٹیکہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے استعمال کا ایک طریقہ کار بذریعہ انجکشن ہے اس کے علاوہ دودھ اور گوشت دینے والے جانوں کی تمام ادویات اور خوراک میں بغیر بتائے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کے نقصانات انتہائی بھیانک ہیں۔ جن میں وقت سے پہلے بلوغت کا آجانا، جنسیت کا انسان کے کنٹرول سے باہر ہونا، ہم جنس پرستی، دماغ میں ان ہارمونز کو قتل کرنا جن سے انسانی دماغ میں غور وفکر، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے انسان میں عدم برداشت، جلد بازی، ذہنی دباؤ، آنکھوں کی بصیرت میں کمی سمیت کئی جسمانی ونفسیاتی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہڈیوں کے کینسر کا موجب بھی بنتا ہے۔

اس کے علاوہ جانوروں میں استعمال کیے جانے والے چند کیمیکلز جن کی تفاصیل انتہائی چونکا دینے والی ہیں ہم ان کی تفاصیل کو بیان نہیں کریں گے لیکن ان کے نام درذیل ہیں۔

فارمولین ۔ اسے کھانون کی زندگی بڑھانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور دودھ وغیرہ کی زندگی بڑھانے کے لیے بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مردوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد زخموں پر بھی لگایا جاتا ہے تاکہ مردہ گلنے سڑنے سے بچ جائے۔

بووائن گروتھ ہارمون مِلک ۔ یہ بھی دودھ بڑھانے کے لیے جانوروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے نقصانات بھی بلکہ ویسے ہی ہیں جیسے آکسیٹوسین کے ہیں۔

نرو گراوتھ فیکٹر، گلیفو سیٹ، بی ٹی ٹاکسن

پوری دنیا اس وقت اس خطرے کا سامنا کر رہی ہے لیکن انسانوں کی اکثریت کو اس کا علم ہی نہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی کیمیکلز بنانے والی کمپنی مونسینٹو کے سابق سائنسدان جن پر حقیقت واضع ہوئی اور انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی نے افریقہ میں ایک تجربہ کیا۔ دن میں تین مرتبہ چوہوں کو جینیٹیکلی موڈی فائی مکئی کھلائی گئی جس کی مقدار انسان کی خوراک سے پچاس فیصد سے بھی کم بنتی ہے اس کے باوجود چوہوں کے اجسام پر مختلف جگہوں پر بڑے بڑے پاپس یعنی رسولیاں نکل آئیں اور ۹۰ دن میں

چوہوں کے اجسام مفلوج ہو گئے۔ یہ تجربہ صرف جینیٹکلی موڈی فائی مکئی پر کیا گیا جس کے نقصانات باقی جینیٹکلی موڈی فائی اشیاء سے کم ہیں۔

چوہوں پر کیے گئے تجربات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان جس مقدار سے ان جینیٹکلی موڈی فائی اشیاء کا ستعمال کر رہا ہے ان کے مطابق اس کے جسم پر کب اور کیسے کیسے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ کن کن بیماروں کا شکار ہوگا۔ یعنی اس وقت پوری دنیا میں گندم، چاول، پھلوں اور سبزیوں سمیت سب کچھ جینیٹکلی موڈیفائی بیجوں سے ہی اگایا جا رہا ہے اگر یوں کہیں کہ اللہ نہیں بلکہ دجال اگاہ رہا ہے تو اس میں کچھ غلط نہ ہوگا اور یہ حقیقت ہے۔

اسی طرح چوہوں پر آلو کے ذریعے تجربہ کیا گیا۔ کچھ چوہوں کو قدرتی آلو کھلائے گئے اور کچھ کو جینیٹکلی موڈی فائی۔ تو صرف دس دن میں جینیٹکلی موڈیفائی آلو کھانے والے چوہوں کو درج ذیل بیماریاں لاحق ہو گئیں۔

خلیوں کا کینسر یعنی خلیوں کے تقسیم ہونے کا عمل تیز ہو جانا۔ جو کہ سب سے خطرناک ترین کینسر ہے۔

ان کے دماغ چھوٹے ہو گئے یعنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بہت زیادہ کم ہو گئی اور بھولنے کی بیماری لاحق ہو گئی۔

گردوں اور مثانے کا پھول جانا۔

جسم کا مدافعتی نظام کمزور ہو جانا جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا حملہ آور ہونا۔

اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں آزادانہ طور پر تجربات کیے جا چکے ہیں اور تمام تجربات کے نتائج یہی اخذ ہوئے۔

جب چوہوں پر اس کے یہ اثرات مرتب ہوئے تو انسان پر کیا کیا نہیں ہو رہے اور عورتیں پھر کیسے بغیر عیوب کے بچہ پیدا کریں گے اس سے تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

جب اس طرح فصلیں اگائی جاتی ہیں تو ان تمام مخلوقات کا نظام اس سے متاثر اور تباہ ہوتا ہے جن کا تعلق فصلوں سے ہوتا ہے۔ جیسے پرندوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ شہد کی مکھیاں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ آکسیجن اور آب وہوا میں خرابیاں ہو رہی ہیں اسی طرح جو جوان سے تعلق رکھنے والی مخلوقات ہیں وہ متاثر ہو رہی ہیں۔ یوں یہ سائیکل کی گراری کی طرح ایک ایسا سرکل چل رہا ہے جس پر سے چین کی ہر گرہ گزرتی ہے۔

اب سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ جن کی ملکیت ایسی کمپنیاں ہیں جو جینیٹکلی موڈیفائی اور گانیزم کے ذریعے ہر کھانے کی شئے کو انسان کے لیے انتہائی مضر بنا رہی ہیں انہی کی ملکیت فارماسوٹیکل انڈسٹری ہے ادویات بنانے والی انڈسٹری۔ خود ہی بیمار کرتے ہیں اور خود ہی دوا دیتے ہیں کیا دجل ہے۔ سبحان اللہ

دنیا کی سب سے بڑی کمپنی مونسانٹو کے مالکان سے جب اس ٹیکنالوجی سے ہونے والے نقصانات کا ذکر کیا گیا کہ ان سے بچاؤ کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں تو جواب دیا گیا کہ ہمارا کام یہ نہیں ہمارا کام اور دلچسپی اس میں ہے کہ ہم جتنا زیادہ سے زیادہ بنا اور بیچ سکتے ہیں بیچیں۔

حفاظتی تدابیر کا کام ایف ڈی اے کا کام ہے۔ ایف ڈی اے خوراک پر نظر رکھنے والا امریکی ادارہ ہے جسے عالمی اتھارٹی حاصل ہے۔

پھر اسی طرح انہیں فصلوں سے تیل حاصل کیا جاتا ہے جسے کھانوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو ایسی فصلیں ہی حرام ہیں اور دوسرا جن جدید دجالی طریقوں سے تیل نکالا جاتا ہے وہ اس تیل کو مزید زہر بنا دیتا ہے اور تیسرا جب اس تیل میں آپ کوئی بھی کھانا پکاتے ہیں تو وہ تیل نہ صرف خود مزید زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ اس میں پکنے والا کھانا بھی زہر بن جاتا ہے۔

تیل کوئی بھی ہو خواہ وہ زیتون کا ہی کیوں نہ ہو جو قدرتی طریقے سے نکالا گیا طیب تیل ہو۔ اگر اسے گرم کیا جائے کہ اسے جوش آجائے تو اس کے مالیکیول ٹوٹ کت ذرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو انسان کے لیے زہر بن جاتا ہے۔ وہ صرف نظر آنے میں تو تیل ہوگا لیکن حقیقت میں ایسا زہر جو آپ کے جسم میں آئے دن طرح طرح کی بیماریوں کا باعث بنے گا۔

ہر شئے ذرات کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے۔ مثلاً ایک مشروب کہ ہی مثال لے لیں دو یا دو سے زائد ایسے کیمیکلز جو تیزاب سے زیادہ خطرنات ہوتے ہیں لیکن جب ان کو آپس میں ملایا جائے تو ان سے ایک ایسا مشروب بن جاتا ہے جو خوش ذائقہ اور مفید ہوتا ہے لیکن اگر ان کیمیکلز کو الگ الگ کر دیا جائے جن سے مشروب وجود میں آیا تو وہ کیمیکلز انسان کے لیے تیزاب سے زیادہ خطرناک ہوں گے۔ بلکہ اسی طرح تیل جن کیمیکلز کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے یعنی جن ذرات کے ملنے سے تیل کا مالیکیول بنتا ہے وہ ذرات بذات خود زہر کی سی حثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ان کے ملاپ سے تیل بن جاتا ہے۔ اور اگر آپ تیل کو پکائیں تو جیسے ہی تیل کا درجہ حرارت بڑھے گا تو اس کے مالیکیول ٹوٹ کر دوبارہ ذرات میں تبدیل ہو جائیں گے یوں وہ نظر آن ے میں تو تیل ہوگا لیکن حقیقت میں زہر جو ٹائم بم کی طرح ہوگا اور لاتعداد بیماریوں کا باعث بنے گا۔ پھر تیل میں جو شئے پکائی جائے تیل اس شئے کے بھی مالیکیول توڑ دیتا ہے یوں وہ شئے بھی زہر بن جاتی ہے۔

بلکل یہی مثال ڈالڈا گھی کی ہے۔ ڈالڈا گھی بھی اسی تیل سے تیار کیا جاتا ہے۔ تیل میں ہائیڈروجن گیس داخل کی جاتی ہے جس سے تیل جم کر گھی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈالڈا گھی اور تیل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جدید دجالی طریقوں سے نکالا جانے والا تیل پہلے ہی زہر بن چکا ہوتا ہے کیونکہ اسے بہت زیادہ درجہ حرارت پر پکا کر نکالا جاتا ہے اور اس کے علاوہ جو تیل کولہو کا نکلا ہوا ہو یعنی قدرتی طریقے سے نکالا جائے وہ تیل بھی بغیر پکائے استعمال کرنے سے فائدہ مند ہوتا ہے ورنہ وہ زہر بن جاتا ہے۔ تیل میں یا ڈالڈا گھی میں پکائے جانے والے کھانے کی نشانی یہ ہے کہ جیسے ہی آپ ایسا کھانا کھائیں گے تو آپ کے سینے میں جلن، بدہضمی، کھٹے ڈکار وغیرہ کا آنا عام ہوگا اس کے علاوہ جسم کا فربہ ہو جانا بھی تیل کے استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس زہر کو ترک کر دیں۔

اس کے برعکس اللہ سبحان وتعالی نے گائے وغیرہ کے گھی میں بہت فائدے رکھے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے گائے کے بارے میں کہا۔

اس کا دودھ شفاء ہے، اس کا گھی علاج ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔ (بیہقی، مستدرک الحاکم)

اگر آپ کسی بھی بیماری میں مبتلا ہوں تو آپ گائے کے گھی کو معمول بنالیں تو ان شاء اللہ وہ بیماری کیا تمام کی تمام بیماریاں آپ سے دور ہو جائیں گی۔ اس کے علاوہ اگر آپ خود تجربہ کریں۔ آپ گائے کے گھی سے بنے کھانے جتنے جی چاہے کھائیں آپ نہ ہی موٹے ہوں گے، نہ سینے میں جلن ہو گی، نہ بدہضمی ہوگی اور نہ ہی کھٹے ڈکار آئیں گے۔

ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ گائے کا گھی علاج ہے لیکن ہم اپنے نبی ﷺ کی بات ماننے کی بجائے انہیں جھٹلا رہے ہیں اور ایمان لا رہے ہیں دجالی میڈیا اور ڈاکٹروں کے نام پر دشمنوں پر، جو کہتے ہیں گھی بیماریوں کا باعث بنتا ہے اور تیل مفید ہے۔ ہم ذرا غور کریں، ہم کس پر ایمان لائے ہم نے کنہیں نبوت کے درجے پر فائز کر دیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے یعنی گائے کے گوشت کا زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہیئے لیکن ہم نے دجالی میڈیا و اس کے ذرائع کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مچھلی و بکرے کے گوشت کو چھوڑ کر گائے کے گوشت کو معمول بنالیا۔

چینی۔ سفید چینی جس کے تیاری کے مراحل میں الکوحل استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کا چونا نما پاوڈر استعمال کیا جاتا ہے جو کہ انتہائی نقصان دہ خبیث شئے ہے۔ اس کے علاوہ چینی کا رنگ سفید کرنے کے لیے اس میں کلورین استعمال کی جاتی ہے یہ وہی کیمیکل ہے جس سے آپ اپنے باتھ روم، ٹوائلٹ وغیرہ صاف کرتے ہیں یعنی یہ تیزاب ہے۔ سفید چینی جو کہ بلکل واضع اور قطعاً حرام ہے۔ اس کے نقصانات انسانی قل کے ادراک سے باہر ہیں۔ اس لیے کوشش کریں کہ یا تو قدرتی دیسی چینی استعمال کریں یا پھر گڑ اور شہد وغیرہ کا استعمال کریں۔

برتن۔ برتنوں کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ برتن صرف اور صرف لوہے، تانبے یا مٹی کے ہی استعمال کریں۔ ایسے برتنوں میں پکے ہوئے کھانے انتہائی مفید اور صحت بخش ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایلومینیم کے برتن، یا جتنے بھی مختلف اقسام کے برتن اس وقت موجود ہیں وہ کھانوں کو زہریلا بنا دیتے ہیں جو مختلف بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اسی طرح پلاسٹک کے برتنوں سے ایسے ہی دوری اختیار کریں جیسے کہ انسان آگ میں کودنے سے نفرت کرتا ہے۔ پلاسٹک کے برتن اس وقت سب سے زیادہ خطرناک اور مضر ترین برتن ہیں۔ پلاسٹک کو جب بھی کمرے کے درجہ حرارت سے زیادہ حرارت ملتی ہے تو وہ ایسی زہریلی گیسوں کا اخراج کرتا ہے جو نہ صرف انسان کے لیے بلکہ حیات سمیت آب و ہوا اور زمین کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں۔ پلاسٹ کے برتن میں گرم ہونے والا کھانا زہریلہ ہو جاتا ہے جو مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

ایڈیٹیوزاور پریزرویٹیوز۔خوراک میں استعمال کیے جانے والے مصنوعی اجزاء

ایڈیٹیوزاور پریزرویٹیوزکو ہم سمجھتے ہیں یہ کیا ہوتے ہیں۔اس کے لیے سب سے پہلے کچھ باتیں جاننا ہمارے لیے بہت ہی ضروری ہے جب ہم ان باتوں کو جان لیں گے تو ایڈیٹیوزاور پریزرویٹیوز کے بارے میں سمجھنا ہمارے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں واضع کر دیا کہ اللہ کی تمام مخلوقات کی کوئی نہ کوئی اجل ہے یعنی ہر ایک کی حیات میں ایسا مرحلہ ضرور آئے گا کہ وہ موت سے ہمکنار ہو۔یعنی ہر مخلوق کی زندگی کی ایک مدت مقرر ہے۔جیسے انسان کی اسی طرح درخت، چرند، پرند سمیت تمام مخلوقات کی۔اب اگر ہم انسان میں غور وکریں تو اس میں بھی کئی مخلوقات ہیں یعنی دل، گردے، پھیپھڑے سمیت تمام اعضاء اپنے آپ میں الگ الگ مخلوقات ہے ان سب کے وجود سے ایک مخلوق وجود میں آئی جسے بشر کہا جاتا ہے۔اب اگر دل، گردے، پھیپھڑوں سمیت تمام اعضاء کو لے لیں تو ہر اعضوء کئی مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے۔ ہر مخلوق کئی مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے۔لیکن ایک مخلوق کے اندموجود تمام مخلوقات کی حیات کی مدت ایک برابر نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی الگ الگ ہے۔انسانی جسم میں موجود لا تعداد چھوٹے چھوٹے جاندار جنہیں ہم بیکٹیریا کے نام سے جانتے ہیں وہ ہوتے تو انسان کے جسم کا حصہ ہیں لیکن ان کی زندگی کا دورانیہ انسان سے کئی گناہ کم ہوتا ہے۔وہ پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔بلکل اسی طرح تمام کی تمام مخلوقات کا معاملہ ہے۔یوں سمجھ لیجیئے کہ یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کا قانون ہے۔جس کے مطابق یہ سب چل رہا ہے۔

ایسے ہی انسان کی غذا بھی جو مختلف مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے۔ ہر مخلوق کی زندگی کا دورانیہ مختلف ہے۔جیسے پھل، سبزیاں، دالیں، دودھ، گوشت وغیرہ سمیت تمام وہ مخلوقات جن کا غذا میں شمار ہوتا ہے۔جیسے پیچھے بیان کیا ہر مخلوق کئی مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے تو اسی طرح ایک سیب جو کہ ایک مخلوق ہے اس کے اندر کئی مخلوقات موجود ہے ہر مخلوق کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے جب تک وہ اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دیتی رہے گی تو وہ مخلوق ٹھیک رہے گی ورنہ وہ تباہی سے دوچار ہوگی۔

سیب کے اندر بہت سی مخلوقات جن میں سے کچھ کا تعلق ذائقے سے ہوتا ہے، کچھ کا اس کی رنگت سے، کچھ کا اس کی خوشبو سے، کچھ کا اس کے گودے سے، کچھ کا اس کے بیجوں سے۔ بتدریج اسی طرح ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔یعنی اگر وہ مخلوق جس کا تعلق ذائقے سے ہے اگر وہ زندہ رہے گی اور اپنی ذمہ داری انجام دیتی رہے گی تو سیب کا ذائقہ خراب نہیں ہوگا لیکن جب بھی اس نے ذمہ داری ترک کردی جو کہ اس کی زندگی کے اختتام کی وجہ سے ہوگا تو سیب کے ذائقے میں بگاڑ آجائے گا۔کیونکہ اس مخلوق کی موت ہونے سے ایک نئی مخلوق وجود میں آئے گی جو مختلف ذائقے کو پروان چڑھائے گی یہ عمل اس وقت تک بتدریج جاری رہتا ہے جب تک کہ سیب کی موت نہ ہو جائے یعنی سیب گل سڑ کر چھوٹے چھوٹے ذروں میں تقسیم نہ ہو جائے جن سے وہ وجود میں آیا تھا۔

یہ نظام آسمانوں اور زمینوں کی ہر مخلوق میں پایا جاتا ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ العلیم الحکیم ہیں۔العلیم یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ کے پاس علم ہے اور

الحکیم یعنی اس علم کو استعمال کیسے کرنا ہے۔

جیسے مثال کے طور پر اگر آپ نے بریانی بنانی ہو تو اس کے لیے کیا کیا کتنا کتنا درکار ہوگا وہ علم کہلائے گا۔ مثلاً برتن، آگ، مرچ، مصالحے، گھی، پیاز، گوشت وغیرہ اور یہ سب کتنی کتنی مقدار میں ہوگا یہ علم کہلاتا ہے۔ اب بریانی بنانے کے لیے کب آگ جلانی ہے کتنی تیز رکھنی ہے، کب برتن رکھنا ہے، کب گھی ڈالنا ہے، کب پیاز، مرچیں، مصالحے، گوشت اور چاول وغیرہ اور کتنا کتنا پکانا ہے یہ حکمہ کہلاتی ہے۔

اگر صرف علم ہو اور حکمہ نہ ہو تو ایسا علم فضول اور نقصان دہ ہوگا۔ جیسے اگر آپ کے پاس بریانی کا علم ہو اور حکمہ یعنی بریانی بنانے کا طریقہ نہ آتا ہو اور آپ چاولوں کے وقت گوشت ڈال دیں اور گوشت کے وقت چاول تو صرف نقصان ہی ہوگا۔ آپ کا سرمایا اور ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اس لیے علم کا ہونا ہی کافی نہیں علم کے ساتھ حکمہ ہونا لازم ہے تبھی علم سے فائدہ حاصل ہوگا۔

اللہ سبحان وتعالیٰ العلیم الحکیم ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے علم وحکمہ سے آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا۔ ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان میں ایک توازن قائم کیا وہ توازاس وقت تک قائم رہے گا جب تک صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق ان کا نظام قائم رہے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں ہے جو العلیم الحکیم ہو۔

العلیم ایسا علم جو علم کُل ہو اور ازل سے ہو۔ اسی طرح الحکیم ایسی حکمہ جو کُل اور ازل سے ہو جس کی کوئی حد ہی نہیں، انسانی ذہن اس کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ اس لیے العلیم الحکیم صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات ہے اس کے علاوہ اور کوئی بھی ایسی ذات نہیں جو ان صفات کی حامل ہو۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ذات جس کے پاس علم ہوگا وہ عالم کہلائے گی نہ کہ علیم۔

اس لیے کہ اس کے علم کی ایک حد ہوگی جس کا اول وآخر ہوگا۔ مثال کے طور اگر کسی کے پاس درخت اگانے کا علم ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علم علم کُل ہے بلکہ درخت تو ایک عالم ہے اسے عالم اس لیے کہا گیا کہ جس علم سے اسے خلق کیا گیا وہ علم اس میں موجود ہے۔ اس لیے جو اس درخت کا علم حاصل کرے گا وہ بھی صرف عالم ہی کہلائے گا۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔ اسی طرح انسان کتنی مخلوقات کا مجموعہ ہے اس کا مکمل علم ابھی تک انسان حاصل نہیں کرسکا اور نہ ہی وہ وہاں تک پہنچ پائے گا۔ اگر انسان کے مختلف اعضاء کو چیر پھاڑ کر اس پر تحقیق کر کے کچھ علم حاصل کرلیا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انسان اس قابل ہوگیا کہ وہ انسانی جسم میں مداخلت کر کے اس کا توازن برقرار رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے ہم نے جان لیا تھا کہ ہر مخلواق کئی مخلوقات کا مجموعہ ہوتی ہے تو اگر دل پر تحقیق کی تو لازم نہیں کہ دل میں موجود تمام مخلوقات کا علم حاصل ہوگیا پھر ان تمام مخلوقات میں موجود مخلوقات کا علم بھی حاصل ہوگیا۔ پھر جب ایسے علم کو لیکر انسان میں چھیڑ چھاڑ کریں گے تو اس کا فائدہ حاصل ہونے کی بجائے نقصان ہی ہو گا۔ مثلاً اگر سر میں تحقیق کر کے اس کے متعلق کچھ علم حاصل کرلیا اور ایک ایسی دوا تیار کی جو سر درد دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ انسان جب وہ دوا کھائے گا تو وہ دوا صرف سر کے اسی حصے تک نہیں جائے گی بلکہ وہ جسم کے ہر حصے میں منتقل ہوگی۔ اب اس سے سر درد تو دور ہو جائے گا لیکن سر کے اس حصے کے علاوہ وہ جسم میں موجود تمام مخلواقت پر اپنے منفی اثرات مرتب کرے گی۔ اس سے انسانی جسم کا توازن بگڑ

جائے گا اور انسان لاتعداد نقصانات کی دلدل میں دھنس جائے گا۔

ایسے ہی حزب الشیاطین نے انسانی خوراک میں تحقیق کر کے کچھ علم حاصل کرلیا۔ اور اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً ایک سبزی فصل سے الگ ہو کر اگر اس کی قدرتی زندگی ۲ دن ہے تو اس کی زندگی بڑھا کر ۲ سال یا اس سے بھی زیادہ کر دی جاتی ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہوا؟ اور کیسے کیا گیا؟

حزب الشیاطین نے اس سبزی میں تحقیق کر کے ان مخلوقات کا پتہ لگایا جس کا تعلق اس سبزی کے ذائقے، خوشبو اور رنگت وغیرہ سے ہے۔ اور ان کے ساتھ بلکل ایسا معاملہ کیا جیسے ایک انسان جو کومے میں چلا جاتا ہے اور اسے کئی سال یا کچھ عرصے تک مشین کے ذریعے زندہ رکھا جاتا ہے۔ سبزی میں ایسے کیمیکل شامل کیے جاتے ہیں جو متعلقہ مخلوقات پر اثر انداز ہو کر ان کی زندگی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے اگر دودھ کو ٹھنڈی جگہ پر رکھا جائے تو اس میں موجود مخلوقات کی زندگی بڑھ جائے گی جس وجہ سے دودھ زیادہ دیر تک ٹھیک رہے گا۔

جب سبزی میں ایسے کیمیکل استعمال کیے جاتے ہیں تو وہ کیمیکل سبزی میں موجود ان چند مخلوقات کی زندگی بڑھا دیتے ہیں یا خود ان کی جگہ لے لیتے ہیں جس سے ظاہری طور پر وہ شئے زیادہ دیر تک محفوظ نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس سبزی میں صرف وہی چند مخلوقات نہیں رکھیں بلکہ ان کی تعداد کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے اس لیے ان چند کے علاوہ باقی تمام مخلوقات اپنی زندگی پوری کرنے کے بعد موت سے ہمکنار ہو چکی ہوتی ہیں۔ پھر ایسی سبزی کھانے والے انسان کو فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے ۔یعنی جسم میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں ہم بیماریوں کا نام دیتے ہیں۔

ساتوں آسمان اپنے آپ میں ایک عالم ہیں پھر ہر آسمان اپنے آپ میں ایک عالم ہے۔ پھر ہر آسمان میں ہر کہکشاں اپنے آپ میں ایک عالم ہے، پھر ہر کہکشاں میں ہر نظام شمسی اپنے آپ میں ایک عالم ہیں پھر ہر نظام شمسی میں ہر ستارہ اور ہر سیارہ اپنے آپ میں ایک عالم ہے۔ پھر ہر ستارے اور ہر سیارے میں تمام مخلوقات اپنے آپ میں ایک عالم ہیں اسی طرح بتدریج یہ سلسلہ نیچے چلتا جاتا ہے۔

اب زمین اپنے آپ میں ایک عالم ہے اور وہ کئی عالموں یعنی کئی مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آیا۔ زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں اور پھر ہر مخلوق کے الگ الگ ضروریات ہیں۔ جیسے مثال کے طور پر جو بکری کھاتی ہے وہ شیر نہیں کھاتا۔ اسی طرح ہر مخلوق کی ضروریات و حاجات الگ الگ ہیں۔ بلکل ایسے ہی انسانی جسم جو کہ اپنے آپ میں ایک عالم ہے اور وہ کئی لاتعداد مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں آیا تو اس میں موجود تمام مخلوقات کی اپنی اپنی ضروریات ہیں۔ کس کو کیا چاہیے اس کا علم صرف اور صرف اسی ذات کو ہے جو العلیم ہو۔ جسے ان تمام کا علم ہو اور وہ الحکیم بھی ہو۔

اس کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے لیے غذا خلق کی۔ جب ہم ایک سبزی کھاتے ہیں تو اس میں وہ تمام اجزاء موجود ہوتے ہیں جو جسم میں موجود تمام مخلوقات کی ضرورت ہوتی ہیں اور ان اجزاء کی مقدار بھی ان تمام مخلوقات کے ضرورت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اب

جب ہم ایسی غذا استعمال کریں گے جس میں ایڈیٹیوز اور پریزرویٹیوز استعمال کیے گئے تو ہمارے جسم میں موجود بہت سی مخلوقات کو ان کی ضروریات مہیا نہیں ہوں گی جس کا ردعمل خرابیوں کی صورت میں وضع ہوگا اور ہم انہیں بیماریوں کا نام دیتے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ. الشوریٰ ۳۰

اور مصیبتوں سے جو تمہاری مصیبتیں ہیں پس اس کی ساتھ جو تمہارے ہاتھوں کا کیا ہوتا ہے اور وہ عفو کرتا ہے ان سے کثیر۔

اس آیت کی تفسیر میں مسند احمد مین ایک روایت ہے۔

ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں تمہیں قرآن کی وہ سب سے افضل آیت جو ہمیں نبی ﷺ نے بتائی تھی نہ بتاؤں۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ. الشوریٰ ۳۰

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے علی! میں تمہارے سامنے اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہوں، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں دنیا میں جو بھی بیماری، تکلیف یا آزمائش پیش آتی ہے تو وہ تمہاری اپنی حرکتوں اور کرتوتوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اکرم ہے اس سے کہ آخرت میں دوبارہ اس کی سزا دے اور اللہ نے دنیا میں جس شئے سے عفو کر دیا ہو اس کے حلم سے بعید ہے کہ وہ عفو کرنے کے بعد اعادہ کرے۔ مسند احمد

اللہ سبحان وتعالیٰ عفو یعنی معاف انہیں کو کرتے ہیں جو حق پہنچنے کے بعد اللہ سے رجوع کر لیتے ہین اور اس کی غلامی اختیار کر لیتے ہیں ورنہ اپنے کیے ہوئے کا دنیا و آخرت دونوں میں عذاب ملے گا۔ اس کے علاوہ درجنوں آیات ہیں جن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ جو کچھ بھی برا ہوتا ہے، خرابیاں، فساد، تباہیاں، بیماریاں، زلزلے، طوفات وغیرہ سب کچھ انسان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے آتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ . یونس ۴۴

اس میں کچھ شک نہیں اللہ خود کمیاں نہیں کرتا لوگوں کی اشیاء میں اور لیکن لوگ خود ہی کمی کرنے والے ہیں

آدم علیہ السلام نے جنت میں شجرہ ممنوعہ کھا کر ظلم یعنی کمی کی تھی وہ کمی کیا تھی وہ آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام کی تخلیق میں بگاڑ تھا یعنی اپنے اجسام میں خرابیاں کر لی تھی جن کو سمجھنے کے لیے جنت کی تخلیق، حاجات وضروریات اور موجودہ تخلیق، حاجات وضروریات کو سامنے رکھ کر

فرق ملاحظہ کریں۔ بلکہ اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسانوں کو جو نعمتیں دی ہیں خواہ وہ جو خوراک کی صورت میں ہیں ان میں بگاڑ انسان خود ہی کر رہے ہیں۔ ان میں اللہ نے جو اجزاء رکھے انسان خود ہی ان میں کمی کر کے ان کو ناقص بنا رہے ہیں یہ سب اللہ نہیں کر رہا۔

بلکل یہی نقصانات جینیٹکلی موڈیفائی اورگانزم کے ہیں۔ ایڈیٹیوز اور پریزرویٹیوز یہ مصنوعی کیمیکلز ہوتے ہیں جو جینیٹیکلی موڈیفائی اورگانیزم کا حصہ ہیں۔ یہ زمین سے نکالے جانے والے خام تیل سے اخذ کیے جاتے ہیں۔
اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے بار بار یہی حکم دیا ''لا الہ الا اللہ'' اور تمام کے تمام انبیاء کو بھی اس ایک پیغام کیساتھ مبعوث کیا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡن. الانبیاء ۲۵
اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے قبل رسولوں سے مگر ہم نے وحی کی اس کی طرف کی نہیں کوئی بھی ایسی ذات جس کی غلامی کی جائے مگر میں پس اس کی غلامی کرو
اس علم کی روشنی میں ہم با آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیسے کیا جاتا ہے اور مسلسل کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ تب تک نہیں رک سکتا جب تک کہ انسان صرف اور صرف اللہ کی غلامی اختیار نہ کر لے۔ صرف اور صرف یہی ایک پیغام تھا جس کیساتھ اللہ سبحان وتعالیٰ نے تمام رسولوں کو بھیجا۔ کہ اس دنیا میں تم نے بھی بلکل ایسے ہی زندگی گزارنی ہے جیسے باقی تمام مخلوقات۔ یعنی صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرنی ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کی بات مانو گے خواہ وہ تمہاری خواہشات ہی کیوں نہ ہوں اس سے آسمانوں اور زمین میں فساد ہوگا اور اس کا انجام تباہی۔ اللہ کی کائنات میں جس شئے میں بھی مداخلت کرو گے جس کیساتھ بھی پنگا لو گے اس میں فساد ہی ہوگا۔ اور اس سے بچنے کا واحد حل یہی ہے کہ اللہ کی غلامی اختیار کر لو۔ کیونکہ اسی تمام عالمین کو خلق کیا ہے اس لیے صرف اور صرف وہی جانتا ہے کہ کس کس کو کس کس مقصد کے لیے خلق کیا اور وہ کیسے مقصد پورا کر سکتی ہے۔ کس میں فائدہ ہے اور کس میں نقصان ہے۔ اس کا علم صرف اور صرف اللہ ہی کو ہے اس لیے صرف اور صرف اسی کی غلامی کرو۔ ورنہ اگر تم نے کوئی ایک لمحہ بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کی مرضی سے گزارا تو اس کا نتیجہ فساد اور پھر تباہی ہوگا۔ ہمارا موضوع چونکہ خوراک ہے اس لیے ہم پر واضع ہوتا جا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ اوروں کی غلامی سے کس حد تک خوراک میں فساد کر دیا گیا اور مسلسل کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے نتائج بھی سامنے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ . المائدہ ۸۷

اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام بناؤ طیبات کو جو حلال کیں اللہ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے پار ہو جاؤ، اس میں کچھ شک نہیں اللہ نہیں حب کرتا اس کی حدوں کو پار کرنے والوں کو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ . یونس ۵۹

کہوان سے دیکھو تو جو اتارا اللہ نے تمہارے لیے رزق سے پس کر دیتے ہو تم اس میں سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال، کہو انہیں کیا اللہ نے حکم دیا تمہیں اس کا یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ جب مبعوث کیے گئے تو اس وقت کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جا سکتا تھا یہ آیات ان کی ہدایت کے لیے تھی لیکن چونکہ قرآن قیامت تک کے لیے ہدایت ہے تو آج کے دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ کہ آج وہ کون سے طریقے ہیں جن سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر ان آیات کو شان نزول کو سامنے رکھ کر سمجھیں گے تو پھر آج کے دور میں ہدایت ملنا ناممکن ہو جائے گا۔ شان نزول کو اسی وقت تک محدود رکھنا ہوگا ورنہ آج جو دنیا میں فساد برپا ہو چکا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو خود ساختہ شرائط کو ہم نے قرآن سے منسوب کر دیا کہ قرآن کو صرف شان نزول اور تفاسیر سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جب ایسی کوئی شرط اللہ سبحان وتعالیٰ نے عائد نہیں کی تو ہم نے یہ جرأت کیسے کر ڈالی۔ نہ صرف اتنا بلکہ جو ان کے علاوہ وہ بات کرے گا ان شرائط کی بات کرے گا جو اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں بیان کر دیں تو ایسے انسان پر کفر وارتداد کے فتوے لگا دیئے جائیں گے حتیٰ کہ واجب القتل قرار دیا جائے گا۔ سبحان اللہ وتعالیٰ

جدید ٹیکنالوجی یعنی دجالی ذرائع اور اس سے تیار شدہ غذا کی تعریف اور اسے جائز وحلال قرار دینے کے لیے ایک روایت کو بطور قوی دلیل استعمال کیا جاتا ہے۔

طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزرا ایک قوم پر کھجور کے درختوں کے پاس۔ پس آپ ﷺ نے کہا یہ لوگ کیا کررہے ہیں انہوں نے کہا ان کا ملاپ کرواتے ہیں کرتے ہیں نر کو مونث میں پس ملاپ ہو جاتا ہے۔ پس کہا رسول اللہ ﷺ نے جو تم کرتے ہو میں ظن کرتا ہوں یہ تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ کہا پس انہیں اس کی خبر ہوئی پس انہوں نے ترک کر دیا اسے۔ پس رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو پس کہا اگر یہ انہیں نفع دیتا تھا تو پس اسے کریں۔ پس میں نے جو بھی گمان کیا وہ میرا ظن تھا پس نہ میں مواخذہ کر ظن کیساتھ اور لیکن جب میں تم میں سے کسی کو اللہ سے کچھ کہوں پس اسے پکڑو پس میں ہر گز اللہ پر کذب کرنے والا نہیں۔ صحیح مسلم

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا آئے اللہ کے نبی ﷺ مدینہ اور دیکھا ان کی کھجوروں کو انہوں نے کہا ہم کھجوروں کا ملاپ کرواتے ہیں پس کہا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم انہیں ایسا ہی کرتے ہیں۔ کہا تھی تمہارے لیے خیر اگر تم یہ کام نہ کرتے۔ پس انہوں نے ترک کر دیا اسے۔ پس کم ہو گئیں یا پس ناقص ہو گئیں۔ کہا پس ذکر کیا اس کا (رسول اللہ ﷺ) سے پس انہوں نے کہا اس میں کچھ شک نہیں جو ہوا میں بھی بشر ہوں جب حکم دوں تمہیں کسی شئے کا دین سے پس اسے پکڑو اور جب حکم دوں کسی شئے کا کھیتی باڑی سے تو پس اس میں کچھ شک نہیں جو بھی ہے میں بھی بشر ہوں۔ صحیح مسلم

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گزرے ایک قوم ملاپ کروا رہی تھی یعنی پیوند کر رہی تھی پس کہا اگر تم نہ کرتے یہ کام اصلاح کے لیے۔ کہا پھل اچھا نہ نکلا۔ پس گزرے ان سے پس کہا کیا ہے تمہاری کھجوروں کو۔ انہوں نے کہا آپ نے ایسا کہا تھا۔ کہا تم علم رکھتے ہو اپنی دنیا کے کاموں کا۔ صحیح مسلم

یہ ایک ہی روایت ہے جو مختلف تین راویوں سے مذکور ہے۔ سب سے پہلے تینوں راویوں سے منسوب روایت میں بہت زیادہ تضادات نظر آتے ہیں۔ پہلی روایت مین طلحہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ایک قوم پر گزر ہوا جو کھجوروں کو پیوند کر رہے تھے۔ لیکن دوسری روایت میں بات بلکل مختلف بیان ہوئی ہے جس میں یہ کہا گیا کہ یہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تب انہوں نے ایک قوم کو ایسا کرتے دیکھا اور تیسری روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ایک قوم پر گزرنے کا ذکر ہے جو پیوند کر رہی تھی۔ ایک تو یہ نقطہ بہت معنی خیز ہے اور دوسری بات جو انتہائی چونکا دینے والی ہے وہ بنیادی طور پر رسول اللہ ﷺ کی نہ صرف شان میں گستاخی کے زمرے میں آتا ہے بلکہ وہ اللہ کی کتاب قرآن کے بلکل منافی ہے۔ کہ پہلی روایت میں یہ کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ میرا ظن تھا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ظن سے کام لیتے تھے۔ اور قرآن کن کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ظن سے کام لیتے ہیں جب ان کو سامنے رکھا جائے تو پتا چلتا ہے ظن سے کام مشرکین اور گمراہ لوگ لیتے ہیں۔ ظن کہتے ہیں قیاس کو یعنی بغیر علم کے کسی شئے کے بارے میں کوئی رائے قائم کر لینا۔ تو کیا نعوذ باللہ

رسول اللہ ﷺ بغیر علم کے بات کرتے تھے؟

قرآن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے اسے سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ. الانعام ۵۰

نہیں میں اتباع کرتا مگر جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

قرآن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بلکل واضح کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اور صرف اسی کی اتباع کرتے تھے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا تھا۔لیکن ہم کہہ رہے ہیں کہ نہیں نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ ظن کی اتباع بھی کرتے تھے۔کیا یہ رسول اللہ ﷺ پر بہت بڑا بہتان نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ ان کے والدین مومن ہیں اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا سے پہلے اللہ سے اجازت کیوں طلب کی؟

ظاہر ہے صرف اور صرف اسی لیے کیونکہ وہ اللہ کے نبی ورسول تھے اور نبی ورسول نبوت کی زندگی میں ایک لمحہ بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں گزارتا بلکہ ہرلمحہ وحی کا پابندر رہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے اللہ سے اجازرت طلب کی جو اس وقت نہیں دی گئی اس لیے کہ جو آپ کے اصحاب آپ کیساتھ تھے ان میں سے اکثریت کے والدین مشرک تھے اگر رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے اپنے والدین کی بخشش کی دعا کرتے تو رسوال اللہ ﷺ کی اتباع میں ان کے اصحاب بھی ایسا کرتے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے پہلے اللہ سے اس کی اجازت طلب کی۔

پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے ان روایات سے جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ واقع تب ہوا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے۔تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے کیا صرف یہی ایک کام ایسا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی نظر میں غلط تھا۔کیا اس وقت شراب مدینہ میں نہیں پی جارہی تھی؟ کیا سودی معملات نہیں چل رہے تھے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے صرف اور صرف اسی سے کیوں منع کیا حالانکہ سود اور شراب کے بارے میں تو بلکل واضح تھا کہ یہ حرام ہیں۔اس کے باوجود ان کی حرمت کے اعلان کی بجائے پیوند کرنے سے کیوں منع کیا؟ یہ بہت بڑا سوال ہے۔کہ جب واضع حرام کاموں کی حرمت کی بجائے اس کام سے منع کر رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ یہ کام ظن کی بنیاد پر ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا جواب بھی اگلی روایت میں موجود ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ کام نہ کرتے اصلاح کے لیے۔اصلاح اس کی ہوتی ہے جس میں بگاڑ یونی خرابی ہو۔اصلاح کے لیے نہ کرتے یعنی کہ اگر نہ کرو تو اصلاح رہے گی یعنی ان میں بگاڑ،خرابی جسے عربی میں فساد کہتے ہیں نہیں ہوگا۔اس سے بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ظن کی بنیاد پر تو ہرگز نہیں کہا۔اس کے علاوہ پھر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اگر تم نہ کرتے تو تمہارے لیے خیر تھی۔پھر وہی بات کہ رسول اللہ ﷺ خیر کا لفظ کیوں استعمال کر رہے ہیں اگر ظن کی بنیاد پر کہا تھا تو۔

خیر دنیا کے مقابلے میں آخرت کو کہا گیا ہے۔

ان روایات میں جس کی بنیاد پر اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کرنے کی دلیل اخذ کی گئی ہے وہ یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کا علم رکھتے ہو۔ جس سے مراد یہ لیا گیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو دنیاوی کاموں کا قطعاً کوئی علم ہی نہیں تھا۔ پھر دین اور دنیا دو الگ الگ اشیاء ہیں۔

سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ ہوں۔ ہاں البتہ دین اور دنیا کفار و مشرکین کے لیے الگ الگ ہو سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو دین قائم کیا اس میں کہاں رسول اللہ ﷺ نے یہ کہا کہ دین اور دنیا الگ الگ ہیں اور انہیں الگ الگ رکھو؟

دین تو ہے ہی اسی کا نام کہ دنیا میں کیسے زندگی گزارنی ہے۔ کیسے کھانا ہے، کیسے پینا ہے، کیسے اگانا ہے، کیسے رہنا ہے، کیسے لین دین کرنا ہے، کیسا نظام حکومت ہوگا، کیسا معاشرہ ہوگا، اور کیا یہ سب اللہ کے نبی نے نہیں کیا؟

اگر کیا ہے تو پھر دین اور دنیا الگ الگ کیسے ہو گئے۔ اللہ کے نبی تمام عالمین کے لیے رحمہ بنا کر بھیجے گئے تو کیسے رحمہ بنا کر بھیجے گئے؟ آج جو کھربوں ہا لا تعداد بری و بحری مخلوقات مردار ہو رہی ہیں کیا ان کے لیے اللہ کے نبی رحمہ بنا کر نہیں بھیجے گئے؟

پہلے رحمہ کو سمجھ لیجئے۔ مثال کے طور پر ایک انسان کسی ایسے جنگل میں رہتا ہے جہاں موجودہ طرز زندگی اور آسائشوں کا کوئی تصور نہیں۔ آپ شکار یا کسی بھی غرض سے اس جنگ میں جاتے ہیں اور آپ کی دوستی اس جنگلی شخص سے ہو جاتی ہے۔ اب ایک دن آپ اسے اپنے گھر لیکر آتے ہیں اور جیسے ہی گھر داخل ہوتے ہیں سامنے میز پر شیشے کے قیمتی برتن پڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر آپ کو فوراً خیال آتا ہے کہ آپ کا دوست جنگلی ہے اسے کچھ علم نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں گرا دے جس سے وہ ٹوٹ جائیں گے اسی خوف کے پیش نظر آپ اسے پہلے ہی آگاہ کر دیں کہ ان برتنوں کیساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا ورنہ انہیں نقصان پہنچے گا۔ اس طرح نہ وہ انہیں چھیڑے گا اور نہ ہی برتنوں کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ تو آپ کی وجہ سے برتن محفوظ ہو گئے یہ ہے آپ کا ان برتنوں کے لیے رحمہ ہوا۔

بلکل اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو تمام عالمین کے لیے رحمہ بنا کر بھیجا گیا۔ جب تمام عالمین کے لیے رحمہ بنا کر بھیجا گیا تو یہ لازمی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام عالمین کے بارے میں علم بھی دیا جائے۔ تاکہ اسی کی روشنی میں وہ انسانوں کو بتا دیں کہ تم نے دنیا میں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا جس سے تم سمیت تمام کی تمام مخلوقات محفوظ رہیں گی۔

لیکن آج نعوذ باللہ ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تو علم ہی نہیں تھا اور انہوں نے ایسا اپنے ظن یعنی خیالات یا قیاس کی بنیاد پر کہا۔ اگر ایسا تھا تو پھر تمام عالمین کے لیے رحمت کیسے بنا کر بھیجا گیا؟

رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے منع کر دیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ آج یہ زیادہ دنیاوی مال کے لالچ میں ایسا کر رہے ہیں تو کل کو اگر انہیں شیاطین ایسا علم دیں جس سے یہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ حاصل کر سکیں تو یہ ضرور ویسا ہی کریں گے پھر وہ دن دور نہ ہوگا جب خوراک میں فساد کر دیا جائے گا۔ اور اس طرح اللہ کے ساتھ نہ صرف شریک ٹھہرائے جائیں گے بلکہ فساد کبیر ہوگا اور تمام عالمین کو اذیت و تکالیف اور تباہی سے

دوچار کیا جائے گا۔

رہی بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی دنیا کے کاموں کا علم رکھتے ہو یہ رسول اللہ ﷺ نے اس لیے کہا۔ کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن میں واضع کہہ دیا جو دنیا چاہیں گے انہیں دنیا میں دیا جائے گا لیکن آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔ اور جو آخرت چاہیں گی ان کا دنیا میں کچھ حصہ نہیں اب یہ فیصلہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم دنیا چاہتے ہیں یا آخرت۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں کہا کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کا علم رکھتے ہو۔ لیکن میں دین کا علم رکھتا ہوں اس لیے دنیا میں دین کے مطابق چلو۔ تب ہی اصلاح ہوگی اور فساد نہیں ہوگا۔ اور اسی میں خیر ہے۔

پھر اس حدیث کو ہی دیکھ لیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے انہوں نے کہا جس سے میں تمہیں منع کروں پس اس سے چھوڑ دو اور جو کرنے کا حکم دوں پس اسے کرو جو اس میں تمہیں کرنے کی استطاعت ہو۔ تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے ان کے کثرت سوالوں اور اپنے انبیاء پر اختلاف کرنے سے۔ صحیح مسلم

اس میں رسول اللہ ﷺ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس سے میں تمہیں روک دوں اس سے رک جاؤ اور جسے کرنے کا حکم دوں اپنی استطاعت کے مطابق اسے لازم کرو۔ اور پہلوں کی ہلاکت کی وجہ بھی بیان کر دی کہ جب ان کے انبیاء انہیں کسی کام سے منع کرتے تھے تو وہ ان سے اختلاف کرتے تھے اور سوالات کے پہاڑ کھڑے کر دیتے تھے۔ انبیاء جو حکم دیتے ہیں وہ ظن نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ جو بات آپ کسی کو بتائیں اس کے لیے سمجھنا آسان ہو اس لیے بہتر ہے اگر کوئی ایسا حکم دے رہا ہے جس کے بارے میں یقین ہے کہ اس کے پاس علم ہے تو اس کی بات ضرور مانوں کیوں کہ ہوسکتا ہے وہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ جو حکم دے رہے ہیں ایسا نہیں کہ وہ بعد میں اسے واپس لے لیں گے۔ اگر حکم واپس ہی لینا تھا تو دیا ہی کیوں کیا رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ پھر ہم کیا کہنا چاہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع صرف پوجا و پرستش کے معملات میں کی جائے گی اور دنیاوی معاملات میں ان کی اطاعت واتباع فرض نہیں ہے چنانچہ کفار ومشرکین کی طرح اللہ کے ساتھ خوب شرک کرو۔ سودی معملات کرو۔ جیسا کہ موجودہ دجالی بینکنگ نظام ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں جیسے چاہے شریک بنو۔ جو کہ پیچھ واضع ہو چکا ہوگا اور آگے مزید آ جائے گا۔

اسی روایت کی بنیاد پر یہ فتاویٰ دیئے گئے کہ دین کے کاموں میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور دنیاوی کاموں میں فرض نہیں ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کیجئے گا کہ ہمیں یہ اختیار کسی نے دیا کہ ہم دین اور دنیا کو الگ الگ کریں اور ایسے شیطانی عقائد اخذ کریں؟

اتنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر بات سمجھ میں آ جائے تو الحمدللہ اور اگر سمجھ نہ بھی آئے تو اس کے لیے کوئی اتنے غور و فکر کی ضرورت نہیں۔
سب سے پہلی بات کیا اس وقت ایسے کسی طریقے کو اختیار کیا گیا جو آج اختیار کیے جا رہے ہیں؟
اور اگر یہ کہا جائے جو کہ کہا جاتا ہے کہ تب یہ ٹیکنالوجی موجود ہی نہیں تھی اس لیے اس طرح نہیں کیا گیا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا۔ اگر یہ ضروری ہے اس میں فوائد ہیں تو پھر کیا رسول اللہ ﷺ یہ ٹیکنالوجی نہیں بنا سکتے تھے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس وقت ممکن نہیں تھا ایسے آلات و اوزار نہیں تھے اتنی ایجادات نہیں تھیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب اللہ سبحان وتعالیٰ کے لیے ناممکن تھا؟ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ہر وقت اللہ سبحان وتعالیٰ سے رابطہ تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ یہ سب کرنا چاہتے تو کوئی مشکل نہیں تھی بلکہ ان کی لیے تو بلکل بھی مشکل نہیں تھا وہ اللہ سے دعا کرتے اور اللہ سبحان وتعالیٰ کر دیتے نہ کہ ہماری طرح دنیا کی تمام مخلوقات کے حقوق غصب کر کے ان کو تباہی سے دوچار کر کے۔
جب رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی حکم ہی نہیں دیا نہ ہی خود ایسا کیا تو پھر ہم کیوں کر رہے ہیں؟ یہ ہم کس کی غلامی کر رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں عملی طور پر دیکھا دیا کہ ہم نے اس دنیا میں کیا کرنا ہے۔ اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے یہ سب کرنے سے بلکل واضع اعلانیہ حکم دے کر منع کر دیا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے بھی اور قرآن میں بھی لیکن ہم تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں۔
اس طرح اللہ سبحان وتعالیٰ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ یہ شرک اکبر ہے۔
اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ مثال کے طور پر اگر آپ گھر بنانے کی مہارت رکھتے ہوں آپ نے ایک دیوار بنائی اور کوئی دوسرا آ کر آپ کی بنائی ہوئی دیوار میں تبدیلیاں کر دے اسے گرا کر نئی بنائے تو اس نے کیا ثابت کرنا چاہا اپنے عمل سے؟ یہی نہ کہ آپ نے عیب دار، ناقص دیوار بنائی لہذا دیوار ایسے نہیں ایسے بناتے ہیں جیسے میں نے بنائی۔ تو اس وقت آپ کو کیسا محسوس ہو گا کیا آپ کو خوشی ہو گی؟
ہاں ایک بات ہو سکتی ہے کہ آپ نے ناقص بنائی ہو کوئی کمی کوتاہی چھوڑ دی ہو پھر بھی اگر سب کے سامنے کوئی آپ کے ساتھ ایسا کرے گا تو آپ کی عزت مجروح ہو گی آپ کو شدید غصہ آئے گا۔ جب عیب دار ناقص بنانے کے باوجود آپ کی یہ حالت ہو گی تو پھر سوچیئے اللہ تو سبحان ہے۔ وہ عیب دار خلق کرتا ہی نہیں جب اس نے عیب دار خلق ہی نہیں کیا۔ ہر لحاظ سے کامل تعریف والا خلق کیا تو پھر آپ کو کس نے حق دیا کہ آپ اس کے ساتھ اس کے امر میں شراکت کریں؟ مجھے میرے رب اللہ سبحان وتعالیٰ کی قسم ہے یہ شرک اکبر ہے۔
آپ کسی بھی سطح کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کو کوئی بھی پیشہ ہے اسے سامنے رکھیئے اس مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے اللہ سبحان وتعالیٰ حق بلکل واضع کر دیں گے۔
رہی بات صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کے کھجوروں کو پیوند کرنے کی تو سب سے پہلی بات کہ کیا رسول اللہ ﷺ کسی ایسے کام کی ترغیب دے سکتے ہیں جو انسان کو دنیاوی مال و متاع کی طرف لے جائے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی حثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں پھر اس کی مثال مردہ بکری کے بچے سے دی۔

پھر کئی ایسی احادیث ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود کو کسی سے دور کر رہے ہیں لیکن آس پاس کچھ نظر بھی نہیں آ رہا۔ صحابہ ؓ کے سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا تھی جو میرے قریب آ رہی تھی اور میں خود کو اس سے دور کر رہا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کے لیے جکڑ کر قید کر دیا جانے والا قید خانہ اور کافر کے لیے جنت یعنی باغ ہے۔

تو کیا رسول اللہ ﷺ کسی ایسے عمل کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ یا ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ عمل اپنایا اور اسے جاری رکھا؟

پھر بھی اگر تسلیم کر لیا جائے تو ہم دیکھیں کہ کیا اس عمل سے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی ہوتی ہے؟ صحابہ ؓ کھور کے درختوں کو گابھا کر رہے تھے جسے پیوند کرنا بھی کہا جاتا ہے۔

یہ عمل ہے کیا؟ اسے بھی ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں تصور کریں آپ نے کچھ نر اور مادہ گائے رکھی ہوئی ہیں۔ نر گائے جسے بیل بھی کہا جاتا ہے وہ مختلف اقسام اور قد وقامت کے ہیں۔ اب اگر آپ کسی کمزور قسم کے بیل سے گائے کو حاملہ کرائیں گے تو گائے اسی نسل کا بچہ جنے گی لیکن اگر آپ کے پاس ایک ایسا بیل بھی ہو جو اچھی نسل کا ہو قد وقامت میں بڑا اور خوبرو ہو اس سے گائے کو حاملہ کرائیں تو کیا وہ فطرت کے خلاف ہوگا؟

نہیں بلکل نہیں۔ یہ تو اللہ سبحان وتعالیٰ کا قانون ہے۔ اگر ایک گوری رنگت کی عورت کسی افریقی مرد سے نکاح کرے گی تو پیدا ہونے والی اولاد میں عورت اور مرد دونوں کی خصوصیات ہوں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کا جوڑا بنایا ہے۔ درخت بھی نر اور مادہ میں تقسیم ہیں یعنی ان کے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ درخت کو پیوند کرنا بلکل ایسا ہی ہے جیسے گائے کو کسی دوسرے بیل سے حاملہ کروانا۔ آپ اچھی نسل کے کھجور کے نر درخت کی شاخ لے کر اسے کسی مادہ کھجور کے ساتھ ملاپ کرائیں گے تو اس کے اثرات بھی ظاہر ہوں گے۔ پھل اچھی قسم کا ہو گا۔ اس سے درخت کی فطرت تبدیل نہیں ہوتی نہ ہی اس سے پیدا ہونے والے پھل میں کوئی نقص ہوتا ہے۔ یہ ایک قدرتی طریقہ ہے نہ کہ موجودہ سائنسی دجالی طریقہ۔ اور دوسری اس میں بنیادی اور بہت ہی قابل غور بات وہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہی مخلوق کا آپس میں ملاپ کروایا جاتا ہے۔ گندم کو گندم سے، دھان کو دھان سے، آم کو آم سے، کھجور کو کھجور سے وغیرہ۔ لیکن جدید دجالی طریقہ جینیٹکلی موڈیفائی اس کا پابند نہیں ہے۔ یہ ایک سے زائد مختلف مخلوقات کے ملاپ سے ایک نئی مخلوق وجود میں لاتا ہے جو پہلے وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ جیسے جینیٹکلی موڈیفائی مچھلی کو ہی لے لیں اس میں ایک قسم جسے دنیا میں سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے جسے سالمن، لکس یا ٹراؤٹ بھی کہا جاتا ہے۔ بلکل اسی کے مشابہ ایک مچھلی پیدا کی گئی جو تین مخلوقات کے مجموعے سے وجود میں لائی گئی۔ جس میں ایک قدرتی سالمن، دوسری ایک ایسی مچھلی جو کم وقت میں بڑی ہوتی ہے تیسری مخلوق خنزیر جسے سور کہتے ہیں۔ ان تینوں کے جینز کو سائنسی طریقے سے ملا کر ایک نئی مچھلی پیدا کی گئی جو ہو بہو سالمن کی طرح نظر آتی ہے اور اسے نام بھی سالمن ہی دے دیا گیا اس لیے کہ اگر اسے کوئی اور نام دیا جاتا تو یہ سوال ضرور پیدا ہوتا کہ یہ تو بلکل سالمن کی طرح ہے تو پھر اس میں اور اس میں فرق کیا ہے؟ یہ سوال حقیقت کو عیاں کر سکتا تھا اسی لیے

نام تبدیل کرنے کی بجائے وہی رہنے دیا۔
اب اگر ایک سے زائد مخلوقات کا آپس میں ملاپ حلال ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت ضرور دیتے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ کو ہی دیکھ لیجئے۔
رسول اللہ ﷺ نے گدے اور گھوڑے کے ملاپ سے منع کر دیا۔ یعنی خچر پیدا کرنے سے منع کر دیا۔ مسند احمد

اس کے علاوہ کچھ احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے خچر پیدا کرنے کو جہالت قرار دے کر اس سے روک دیا۔
اس حدیث مبارکہ کی روح سے جب قدرتی طریقے سے دو مختلف جنس کے جانوروں کا ملاپ جائز نہیں تو پھر سائنسی طریقے جو کہ کھلم کھلا شرک اکبر ہے کے طریقے سے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟
پھر جو کچھ بھی اس طریقے سے پیدا کیا جا رہا ہے تقریباً سو فیصد میں انسانی جینز کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر انسان اس کے پس پردہ حقائق کی تفصیلات جان لے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اگر اس میں ایمان کی یا انسانیت کی رائی بھی ہو تو وہ ایک لمحہ بھی موجودہ دنیا میں نہ رہنا پسند کرے۔ اس کی تفصیلات یہاں بیان کرنے سے موضوع تبدیل ہو جائے گا اس لیے اس کی تفصیلات دیکھنے کے لیے ہماری فتنہ دجال کے حوالے سے کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' کا مطالعہ کریں۔
بہر حال ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ جیسے کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو اس عورت کی اولاد سے رضاعیت قائم ہو جائے گی یعنی اس عورت کی اولاد اس کے لیے حرمت والی ہو جائے گی۔ اس لیے کہ دودھ کی وجہ سے اس کے جینز میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اب اگر وہ کسی ایسے سے جنسی تعلق قائم کرے گا جس سے اس کا رضاعیت کا رشتہ ہے دونوں کے جینز میں ایک حد تک مشترک معلومات ہوں گی تو ان کے مشترک معلومات کے حامل جینز کے ملاپ سے ردعمل پیدا نہیں ہوگا۔ جیسے اگر بجلی کی منفی تاریں یا پلس کو آپس میں ملانے سے کوئی ردعمل نہیں ہوگا بلکل اسی طرح کوئی ردعمل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے پیدا ہونے والا بچہ معذور ہوگا۔ اور ضروری نہیں کہ وہ ظاہری طور پر معذور یعنی، اندھا، گونگا، بہرا، لنگڑا وغیرہ ہو بلکہ وہ اندرونی طور پر کسی بھی سطح پر ضرور معذور ہوگا۔ مرد اور عورت دونوں میں جو مشترک معلومات کے حامل جینز تھے ان پر اس کی معذوری منحصر کرے گی کہ وہ جینز جسم کے کس حصے سے تعلق رکھتے تھے۔
جب انسان پریزرویٹیوز والی غذائیں کھاتا ہے تو اس کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ انسانی جسم کا نظام بہت بری حد تک متاثر ہوتا ہے۔ پریزرویٹیوز کا کام ہوتا ہے کسی شیئ کی شلف لائف بڑھا دینا۔ جب انسان ایسی خوراک کھاتا ہے تو اس کے جسم کے سیلز کی تقسیم میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس سے کینسر، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ جیسے امراض کثرت سے جنم لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی جسم میں بہت سے بیکٹیریاز بھی پریزرو ہو جاتے ہیں جس سے جسمانی نظام شدید ترین نقصان سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی طرح

انسان کی جب موت ہوتی ہے تو اسے دفنانے سے اس کا جسم دوبارہ ذرات میں تحلیل ہونے میں مشکل کا شکار ہوتا ہے اس کے علاوہ وہ جن حشرات کی خوراک بنتا ہے ان پر بھی یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں یوں یہ فساد کی نہ رکنے والی چکی چل پڑتی ہے حتیٰ کہ آسمانوں اور زمینوں کا پورا نظام متاثر ہوتا ہے۔ بہر حال یہ بہت ہی پیچیدہ معاملہ ہے جیسے جیسے غور کرتے چلے جائیں دہلا دینے والے حقائق کھلتے چلے جاتے ہیں۔

کوکا کولا، پیپسی وغیرہ سمیت مشروبات اور کھانے کی اشیاء میں استعمال ہونے والے چند اجزاء کی حقیقت

پیپسی، کوکا کولا اور مختلف مشروبات وغیرہ میں استعمال ہونے والے اجزاء کے بارے میں جاننے کے لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم پوٹینشیل ہائیڈروجن کو سمجھ لیں۔ اس کو سمجھے بغیر ان مشروبات کی حقیقت سمجھنا مشکل ہے اس لیے ہم پہلے پوٹینشیل ہائیڈروجن کی وضاحت کرتے ہیں۔

potential hydrogen کا مخفف پی ایچ کہلاتا ہے potential hydrogen کی سطح صفر سے ۱۴ تک ہوتا ہے کسی بھی شئے کی قدرتی potential hydrogen سطح سات ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شئے کی پی ایچ سطح سات سے نیچے چلی جائے تو جتنا نیچے جائے گی اتنی ہی تیزابیت کی مقدار بڑھتی جائے گی اور وہ تیزابیت اس شئے کو نقصان پہنچائے گی اور اگر پی ایچ سطح سات سے بڑھ جائے گی تو شئے میں تیزاب کی مقدار حد سے کم ہو جائے گی جس سے شئے گل سڑ کر تباہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً انسانی جسم اور اس میں خون کی پی ایچ سطح بھی سات ہوتی ہے اس سطح پر پورے جسم میں صفائی کا نظام ٹھیک رہتا ہے اور جسم کے تمام اعضاء محفوظ اور ٹھیک سے کام کرتے ہیں لیکن اگر پی ایچ سطح نیچے آجائے تو خون اور جسم میں تیزاب کی مقدار بڑھ جائے گی۔ تیزاب بہت نقصان دہ ہوتا ہے جب اس کی سطح بڑھے گی تو اس سے نہ صرف معدے بلکہ گوشت سمیت ہڈیوں کا بھی نقصان ہوگا۔ تیزاب ہڈیوں کو کھانا شروع کر دے گا۔ یعنی جیسے تانبے کی میل کچیل دور کرنا ہو تو نمک کا تیزاب ڈالنے سے تیزاب اس کی ساری میل کچیل کھا کر اسے صاف کر دے گا۔ لیکن اگر نمک کے تیزاب کی جگہ شورے کا تیزاب ڈالیں گے تو تیزاب سارے کے سارے تانبے کو کھا کر گیس کی شکل میں اڑا دے گا۔ ہیں تو دونوں ہی تیزاب لیکن نمک کے تیزاب کے استعمال سے تانبے کی پی ایچ سطح سات پر آجائے گی جس سے تانبہ اپنی اصل حالت میں آجائے گا اس سے ہر وہ شئے دور ہو جائے گی جسے نمک کے تیزاب میں کھانے کی صلاحیت موجود ہے لیکن شورے کے تیزاب میں تیزابیت کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے اگر شورے کے تیزاب میں تانبے کو ڈالا جائے گا تو تانبے کی پی ایچ سطح اتنی گر جائے گی کہ تانبے میں تیزابیت کی مقدار حد سے زیادہ بڑھ جائے گی جو تانبے کو ہی کھا جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس نمک کے تیزاب کے استعمال سے تانبے کی پی ایچ سطح سات سے نیچے نہیں گرتی جس سے اس میں تیزابیت کی مقدار صرف تانبے پر موجود گندگی کو کھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح اگر جسم میں پی ایچ لیول ۷ رہے گا تو ہڈیاں اور جسم سے صرف فضلہ ہی خارج ہوگا لیکن اگر پی ایچ لیول کم ہو جائے گا تو اس کے نتیجے میں جسم میں تیزابیت کی مقدار بڑھ جائے گی جو ہڈیوں پر موجود فضلہ کھانے کی بجائے ہڈیوں کو کھانا شروع کر دے گی اور اس کا اخراج پیشاب کی صورت میں ہوتا رہے گا۔ جس کے نقصانات یہ ہوں گے کہ ہڈیوں کا کمزور ہونا، ہڈیوں کا درد کرنا، جوڑوں کا درد کرنا، پیدل چلنے سے ہڈیوں میں درد اور تھکاوٹ یہ سب ہڈیوں کا کینسر کہلاتا ہے جوانی میں تو انسان کو اس کا احساس نہیں ہوتا لیکن جیسے جیسے انسان بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی زندگی عذاب

بنتی چلی جاتی ہے۔
اب اگر جسم میں پی ایچ سطح سات سے بڑھ کر اوپر چلی جاتی ہے تو اس سے جسم میں تیزاب کی مقدار حد سے کم ہوتی چلی جائے گی جس سے جسم میں خرابیاں پیدا ہوں گی یعنی جسم کے ہر خلیے سمیت خون سے بھی فضلے کا اخراج نہیں ہوگا تو وہ فضلہ جسم میں مختلف بیماریوں کا باعث بنے گا۔ جیسے اگر لوہے میں پی ایچ سطح بڑھ جائے تو اس میں تیزابیئت کی مقدار کم ہوجائے گی جس سے لوہے کو زنگ لگنا شروع ہوجائے گا اور اگر لوہے کی پی ایچ سطح اسی طرح حد سے بڑھتی رہی تو آخر کار سارے کا سارا لوہا زنگ میں تبدیل ہوجائے گا۔

فاسفورس ایسیڈ یا فاسفورک ایسیڈ۔ یہ ایک تیزاب ہے جسے عام طور پر لوہے کا زنگ اتارنے اور صفائی کرنے والی اشیاء میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ٹوائلٹ، باتھ روم وغیرہ کی صفائی کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء میں اس کا استعمال لازمی ہے اس کے بغیر صفائی ناممکن ہے۔ اس کا بھی ان مشروبات میں استعمال کیا جاتا ہے۔
کوکا کولا، پیپسی وغیرہ میں فاسفورس ایسیڈ کے استعمال سے ان مشروبات کی پی ایچ سطح ۱۳عشاریہ۴ یا اس سے بھی کم ہوجاتی ہے جس سے ان مشروبات میں تیزاب کی مقدار حد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ اسی سے لگا سکتے ہیں کہ عام طور پر ٹوائلٹ اور باتھ روم کی صفائی کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء کی پی ایچ سطح بھی ۱۳عشاریہ۴ یا اس کے قریب ترین ہوتی ہے۔ یعنی ٹوائلٹ اور باتھ روم کی صفائی والی اشیاء اور پیپسی، کولا وغیرہ سمیت مختلف مشروبات میں تیزاب کی مقدار برابر ہوتی ہے۔ اور آپ کوکا کولا یا پیپسی وغیرہ سے با آسانی ٹوائلٹ صاف کر سکتے ہیں بلکل اسی طرح جیسے ان اشیاء سے۔ جب انسان ایسی شئے استعمال کرے گا جس کا پی ایچ ۱۳عشاریہ۴ یا سات سے کم ہے تو انسانی جسم کا بھی پی ایچ سات سے کم ہو کر نیچے آجائے گا جس سے انسانی جسم میں تیزاب کی مقدار حد سے بڑھ جائے گی اور پھر اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کا اندازہ ہم بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جو نقصانات اوپر پی ایچ کی وضاحت کے آخر میں ذکر کیے گئے ایسے مشروبات کا استعمال کرنے والے انسان کو ان تمام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کاربن ڈائی اکسائیڈ۔

تمام گیس والے مشروبات میں استعمال کی جانے والی گیس کا نام کاربن ڈائی آکسائیڈ ہے۔ یہ وہی گیس ہے جو انسان کے جسم سے سانس کے ذریعے خارج ہوتی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اگر براہ راست جسم میں داخل ہو تو یہ انسان کے لیے زہر کی حثیت رکھتی ہے۔ اس سے لاتعداد بیماریاں وجود میں آتی ہیں۔ اور جو شئے انسان کے لیے نقصان دہ ہے وہ کبھی بھی حلال نہیں ہوسکتی نہ اللہ نے اس کے استعمال کی اجازت دی بلکہ اسے حرام قرار دیا۔ اس گیس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی تم میں سے کوئی پیئے تو برتن میں پھونک نہ مارے۔ بخاری

سوڈیم فلورائڈ۔ یہ ایک زہریلہ کیمکل ہے اسے جب خریدیں تو اوپر لکھا ہوتا ہے کہ یہ زہر ہے۔ جسے آج دنیا کے تمام مشروبات اور حتیٰ کہ سادہ پانی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دانت صاف کرنے والے پیسٹ کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں روزمرہ کے استعمال کی اشیاء میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کے نقصانات کو سمجھنے کے لیے کئی مشاہدات کیے جاچکے ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی بہت تھوڑی مقدار جسم کے خلیوں میں داخل کی گئی اور خوردبین سے اس کا مشاہدہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ خلیے تقسیم ہونے کی بجائے مردہ ہونا شروع ہو گئے بغیر تقسیم ہوئے۔ اور سب سے زیادہ اس زہر نے خلیے کے ان حصوں کو نقصان پہنچایا جہاں دوبارہ تخلیق کا عمل ہوتا ہے۔ یعنی جس شئے میں یہ استعمال کیا جائے نہ صرف اسے نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس میں اپنی نسل آگے بڑھانے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور اگر اس کا استعمال بڑھا دیا جائے تو جس شئے میں بھی اسے استعمال کیا جائے گا اس میں مکمل طور پر دوبارہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ اگر اسے انسانی ڈی این اے میں داخل کر دیا جائے تو اپنی مقدار کے مطابق اثر انداز ہوگا۔ اگر مقدار اتنی ہے کہ صرف بصارت کو نقصان پہنچا سکے تو اس شخص کے پیدا ہونے والے بچے کی آنکھوں کی بصیرت کم ہوگی۔ اسی طرح جیسے جیسے اس کی مقدار زیادہ ہوگی تو پیدا ہونے والا بچہ جسم کی کسی بھی عضوء سے معذور پیدا ہوگا اور اگر کسی انسان کے ڈی این اے میں اس کی مقدار اتنی بڑھ جائے جس سے دوبارہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے تو ایسے انسان میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ انسان کے اپنے جسم میں بھی تمام صلاحیتیں متاثر ہوں گی۔ مثلاً دماغ کا کمزور ہو جانا جس سے سر درد، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں کمی اور بھولنے کی بیماریوں کا لاحق ہو جانا، آنکھوں کی بصیرت کا کم ہو جانا، سماعت کی کمی، دانتوں کا کمزور ہو جانا جس کے باعث دانتوں کی بیماریاں وغیرہ سرفہرست ہیں اس کے علاوہ کئی لاتعداد چھوٹی چھوٹی بیماریاں ہیں جو بعد میں بڑے امراض کی شکل اختیار کر کے شدید تکلیف و نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

اس پر کیے جانے والے اعتراض کے رد اور عوام میں اس کیخلاف پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو روکنے کے لیے یہ منطق پیش کی جاتی ہے کہ اسے اس لیے استعمال کیا جاتا ہے تا کہ پانی، مشروبات یا دوسری اشیاء جن میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے میں ایسے جراثیموں کو مارا جائے جو انسان کے لیے خطرناک ہیں۔ حالانکہ یہ انسانی جسم میں ان جراثیموں کا قتل کرتا ہے جو انسانی جسم کا نہ صرف حصہ بلکہ اس کے فائدے وبقاء کی ضمانت ہیں۔ جسے جسم کا قدرتی مدافعتی نظام کہا جاتا ہے۔

بہر حال ایسا کیوں کیا جار ہا ہے، کون لوگ اس کے پیچھے ہیں ان کے مقاصد کیا ہیں وغیرہ سمیت تمام سوالات کے جوابات اور تفاصیل یہاں درج کرنے سے ہمارا موضوع تبدیل ہو جائے گا اس لیے ایسی تمام تفاصیل آپ ہماری ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔

اسپارٹیم۔ یہ کیمیکل تمام کی تمام میٹھی اشیاء میں بطور چینی استعمال کیا جاتا ہے۔ شئے کے اجزائے ترکیبی میں اس کا نام چینی یا شوگر لکھا جاتا ہے۔بچوں کے کھانے کی سو فیصد میٹھی اشیاء میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ چینی سے ۲۰۰ گناہ زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اسپارٹیم کی تیاری میں الکوحل یعنی نشہ کافی مقدار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جو کہ سرے سے ہی حرام ہے۔

شوگر یا چینی انسانی جسم میں ایندھن کا کردار ادا کرتی ہے مثلاً جیسے گاڑی کو چلانے کے لیے پیٹرول یا ڈیزل کی صورت میں ایندھن درکار ہوتا ہے بلکل اسی طرح انسانی جسم جو کہ لاتعداد خلیات کا مجموعہ ہے تمام خلیات کو شوگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پیچھے جان لیا کہ ہر خلیے میں پوری ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ انسان جو خوراک کھاتا ہے وہ جسم میں خام مال کی حثیت رکھتی ہے وہ خوراک معدے میں جا کر تحلیل ہوتی ہے اور اس میں موجود کیمیکلز خون میں شامل ہو کر جسم کے ہر خلیے کو ملتے ہیں۔جسم کے ہر خلیے میں ایسے کارخانے ہیں جو ان کیمیکلز کو خام مال کی حثیت سے وصول کر کے ان سے وہ اشیاء تیار کرتے ہیں جو خلیے کی ضرورت ہوتا ہے۔ مثلاً ان کیمیکلز کو ملا کر ایسے وٹامنز وغیرہ تیار کرتے ہیں جو ہر خلیے کی ضرورت ہوتے ہیں۔ان کارخانوں کی بھٹیوں میں آگ جلانے کے لیے جو ایندھن استعمال کیا جاتا ہے وہ شوگر ہے۔ ہر خلیے کو ایک محصوص مقدار میں شوگر یعنی ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے اگر کسی خلیے کو مقررہ مقدار سے زیادہ شوگر ملے گی تو اسے وہ سارا ایندھن استعمال ہی کرنا پڑے گا۔جس سے پھر بلکل ایسا ہی ہوگا جیسے اگر آپ نے کوئی شئے پکائی اور آگ بند نہ کی تو گھر میں درجہ حرارت بڑھ جائے گی۔ یا کچھ پکا رہے ہیں تو آگ ہلکی کے بجائے تیز ہو جائے تو کیا نقصان ہوگا؟ بلکل اسی طرح اگر جسم میں شوگر کی سطح بڑھ جائے تو جسم میں خلیے جل کر گلنا شروع ہو جاتے ہیں جسے ہم شوگر کے نام سے بیماری کا نام دیتے ہیں۔ پھر ایسے انسان کو اگر کوئی زخم ہو جائے تو وہ بہت مشکل سے ٹھیک ہوتا ہے اس کی وجہ ہی یہی ہوتی ہے کہ زخم بھرنے کے لیے خلیے ٹھیک اور ان کی تقسیم کا نظام بھی ٹھیک ہونا چاہیے جب خلیے ہی گلے سڑے ہوں گے تو زخم کیسے بھرے گا۔ شوگر کی بیماری بلکل ایسے ہی ہوتی ہے جیسے کوئی شئے باہر سے دکھنے میں تو ٹھیک ہے لیکن اندر سے گل سڑ جائے۔

اب آپ تصور کریں جو آپ کھا رہے ہیں اس میں اگر یہ کیمیکل جسے اسپارٹیم کا نام دیا گیا ہے یہ شامل ہو تو کیا ہوگا؟ شوگر کی بیماری لاحق نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا؟ جو بھی ایسی شئے آپ کھائیں گے جس میں اس کا استعمال کیا گیا ہے تو آپ جسم کو شوگر اس کی ضرورت سے دوسو گناہ زیادہ مہیا کر رہے ہیں۔اور جب دوسو گناہ زیادہ مہیا کریں گے تو نقصان بھی بلکل واضع ہے۔اس سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔

الکوحل۔ یہ واضع طور پر ایک نشے کے نام ہے۔ کچھ پانی میں اس کی معمولی سے مقدار ملا دی جائے تو وہ خمر یعنی نشہ آور شراب بن جائے گی۔اس کا استعمال بھی پیپسی، کوکا کولا، سمیت کئی مشروبات اور دانت صاف کرنے والی مصنوعات سمیت لاتعداد کھانے پینے کی مصنوعات میں کیا جا رہا ہے۔

مونوسوڈیم گلوٹامیٹ۔

یہ ایک ایسا کیمیکل ہے جس کا تعلق ذائقے سے۔یہ بلکل نشے کا کردار ادا کرتا ہے مثلاً جیسے ایک ایسا انسان جو نشے کا عادی ہوجاتا ہے وہ نشے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔بلکل اسی طرح یہ کیمیکل جس شئے میں استعمال کیا جاتا ہے انسانی جسم اس شئے کا عادی ہوجاتی ہے۔اس میں ایک بڑی وجہ انسان کی نفسیات پر اس کا اثر انداز ہونا ہے۔بنیادی طور پر یہ ایک زہر ہے لیکن اسے زہر قرار نہیں دیا جاتا اس لیے کہ اس کا کھانے پینے کی کثیر اشیاء میں بلا جواز استعمال کیا جاتا ہے۔اور اس کا استعمال صرف اور صرف اسی لیے کیا جاتا ہے تا کہ ایک بار استعمال کرنے والا انسان وہ شئے بار بار استعمال کرنے کا عادی ہوجائے۔اور انسان خود اگا کر یا قدرتی اشیاء سے گھر میں کھانا بنانے کی بجائے ایسے کھانوں کو ترجیح دیتا ہے جس میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔اور وہ صرف اس لیے کہ ایک تو وہ محنت سے بچنا چاہتا ہے لیکن اس سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ فلاں شئے کا بہت مزا آیا تھا کھانے کا اس لیے چلو وہی کھاتے ہیں۔فاسٹ فوڈز بیچنے والی کمپنیاں، مثلاً میکڈونلڈ، کے ایف سی، کنگ برگر وغیرہ سمیت تمام کمپنیاں اپنی اشیاء میں اس کا وسیع پیمانے پر استعمال کرتی ہیں۔اس کے علاوہ مختلف مشروبات سمیت بچوں کے کھانے کی اشیاء میں اس کا لازمی استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً آئس کریم، چیونگم، چاکلیٹس، ٹافیاں، جیلیز اور بچوں کے کھانے کی مختلف اشیاء وغیرہ۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی ہر شئے میں اس کا استعمال بڑھتا جارہا ہے۔اس کے پیچھے کون سی طاقتیں ہیں ان شاءاللہ اس کی تفاصیل آپ فتنہ دجال کے حوالے سے ہماری کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' میں پڑھ سکتے ہیں۔

پوٹاشیم سار بیٹ۔یہ سفوف ہے جو مختلف مراحل سے تیار کیا جاتا ہے جس اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے ان میں ایسے کیمیکلز ہیں جن سے انتہائی حساس اور طاقت ور ترین بارود تیار کیا جاتا ہے جس سے بم اور ٹینکوں اور جہازوں وغیرہ کو تباہ کرنے والے میزائل اور ہتھیار وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔پوٹاشیم سار بیٹ تقریباً تمام اقسام کے مشروبات میں استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ مختلف اشیاء جن کو پیک کر کے زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھا جاتا ہے ان میں استعمال کیا جاتا ہے شئے کی مصنوعی طریقے سے زندگی بڑھانے کے لیے۔جسے انگلش میں پریزرویٹو کہتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ تمام اقسام کی بیکری اور آئس کریم وغیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے نقصانات میں زیادہ تر جلد اور آنکھوں کی بیماریاں شامل ہیں۔جن اشیاء میں یہ استعمال کیا جاتا ہے ان کی کم مقدار میں استعمال سے اس سے لاحق ہونے والی بیماریوں کا فوری احساس نہیں ہوتا کیونکہ اس سے چھوٹی موٹی خارش اور آنکھوں کی تھوڑی بہت جھلن وغیرہ ہوتی رہتی ہے لیکن اگر ان اشیاء کا زیادہ اور لمبے وقت تک استعمال کیا جائے تو یہ بیماریاں جسم میں مستقل لاحق ہوجاتی ہیں۔

کیفین ۔کیفین بنیادی طور پر ایک نشہ ہے۔ یہ خون میں شامل ہو کر جسم کا درجہ حرارت بڑھا دیتا ہے جس سے انسان خود کو چست محسوس کرتا ہے لیکن یہ انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس کو اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ تصور کریں اگر آپ تھکے ہوئے ہوں اور آپ میں کوئی کام کرنے کی ہمت نہ ہو لیکن کوئی ڈنڈا لیکر آپ کو پیٹنا شروع کر دے اور ڈنڈے کے زور پر آپ کو کام کرنے پر مجبور کر دے تو ذرا سوچیں آپ کی اس وقت اور اس کے بعد کیا حالت ہوگی۔ اس وقت تو آپ کی مجبوری ہوگی وہ کام آپ کو کرنا پڑے گا لیکن بعد میں آپ کو اس کے نتائج سے بھگتنا پڑے گا۔ یعنی بعد آپ کے جسم پر اس کام کے کرنے کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بلکل اسی طرح کیفین خون میں شامل ہو کر جسم کا درجہ حرارت ایک دم بڑھا دیتی ہے اور انسان خود کو چست محسوس کرتا ہے لیکن بعد میں انسان کو کئی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سے چند کے نام ہم بیان کرتے ہیں۔

پیشاب یا پاخانے میں خون کا آنا، پیٹ میں جلن، ٹھنڈ محسوس ہونا، بے خوشی، الجھن، کھانسی میں خون کا آنا، پیشاب میں کمی واقع ہونا، ذہنی دباؤ، چکر آنا، دل کے دھڑکن کا تیز ہو جانا، بخار، سر درد، چڑچڑاپن، سست پن، پٹھوں میں کھینچاؤ سمیت پٹھوں کی بیماریاں، متلی کا آنا، خون کا حد سے زیادہ پتلا ہو جانا، زخم کی صورت میں خون کا زیادہ مقدار میں اور تیزی سے بہہ جانا ایسے افراد جو کیفین استعمال کرتے ہیں اور حادثات کا شکار ہوتے ہیں حادثے میں چوٹ کی صورت میں زیادہ خون بہہ جانے کی صورت میں موت کا شکات ہو جاتے ہیں۔ سانس لینے کی رفتار تیز ہو جانا، سانس کا پھول جانا، سانس لینے میں مشکل ہونا، سر درد، پیٹ درد، پیٹ کی خرابی، جسم کے مختلف اعضا میں سوجن کا ہو جانا، جلد تھکاوٹ اور کمزوری کا احساس، نیند میں کمی وغیرہ جیسی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔

مصنوعی رنگ ۔ تمام اقسام کے رنگ زمین سے نکلنے والے خام تیل سے حاصل ہونے والے کیمیکلز سے تیار کیے جاتے ہیں۔ جو انسانی صحت کے لیے انہائی نقصان دہ ہیں۔ لاتعداد بیماریوں کا باعث بنتے ہیں جن میں کینسر سر فہرست ہے۔ خلیوں کے نظام میں تباہ کن تبدیلیاں رونما کرتے ہیں۔ زیادہ تفصیل جاننے کے لیے آپ خود ان پر تحقیق کر سکتے ہیں۔ رنگوں کے حوالے سے مزید جاننے کے لیے ہماری کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' پڑھیں۔

یہ تمام کیمیکلز، رنگ، الکوحل، منشیات وغیرہ جسم کی نہ صرف ضرورت ہیں بلکہ جسم میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی مقدار کتنی ہونی چاہیے ایک تو انسان اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور دوسرا یہ کہ جہاں جہاں جیسے جیسے جس جس حصے میں جو جو چاہیے جتنا جتنا چاہیے اگر ویسے ہی ملے گا تو جسم میں میزان قائم رہے گا۔ مثلاً الکوحل انسانی جسم کی ضرورت ہے لیکن پورے جسم کی ضرورت نہیں کچھ مخصوص حصے ہیں جنہیں الکوحل کی ضرورت ہوتی ہے اور ان تک کیسے پہنچانی ہے اس کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے نظام بنا دیا۔ ہمارا کام ہے کہ ہم وہ تمام مواد جسم کو فراہم کریں جس

سے یہ تمام کیمیکلز اور الکوحل وغیرہ تیار ہوتی ہے۔ جسم میں جس جس خلیے، جس جس حصے کو جو جو درکار ہو گا اور جتنی مقدار میں درکار ہو گا وہ خود اسے تیار کرے گا۔ ورنہ اگر ہم الکوحل جسم میں داخل کریں گے تو اس سے فائدے کی بجائے نقصان زیادہ ہو گا اس لیے کہ جسم کے بہت سے حصے ایسے ہیں جنہیں اس کی ضرورت نہیں بلکہ الٹا ان کے لیے زہر کی حثیت رکھتی ہے الکوحل۔ تو الکوحل کے استعمال سے وہ جسم کے ہر خلیے تک جائے گا اور سب پر اپنے اثرات مرتب کرے گی۔ بلکہ اسی طرح تمام کیمیکلز وغیرہ کا بھی معاملہ ہے۔ انسانی جسم کے ہر خلیے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے پوری ایک دنیا آباد کی ہوئی ہے ہم نے انہیں خام مال مہیا کرنا ہے باقی کام ان کے ذمے ہے اور خام مال بھی صرف وہی ہونا چاہیے جس کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دیا۔

یہ تو صرف چند وہ اشیاء تھیں جن کا استعمال کوکا کولا، پیپسی سمیت لاتعداد مشروبات میں کیا جارہا ہے۔ ان کا ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو کچھ بھی مصنوعی طور پر تیار کردہ یا جن اشیاء کو ایسے مراحل سے گزارا جارہا ہے یا جن میں اس طرح کے کیمیکلز استعمال کیے جارہے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ اگر ان تمام کیمیکلز پر بات کی جائے تو وہ اس وقت ناممکن ہو چکا ہے کیونکہ اس وقت لاکھوں کی تعداد میں کیمیکلز وجود میں آچکے ہیں اور دن بدن انہیں ارتقائی مراحل سے گزار کر ان کی تعداد بڑھائی جارہی ہے اور یہ سلسلہ چلتا جارہا ہے۔ ہمارے لیے بہتر ہے ہم ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں اور فطرت پر قائم ہو جائیں جس کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے سختی سے حکم دیا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الروم ۳۰

پس قائم کر اپنا چہرہ دین کے لیے ہر طرف سے کٹ کر، اللہ کی فطرت وہی ہے جس نے لوگوں کو فطرت پر کر دیا نہیں تبدیل کیا جاسکتا اللہ کی خلق کو، یہی ہے دین قائم کرنے والا اور لیکن لوگوں کی اکثریت غور وفکر نہیں کرتی جس وجہ سے وہ علم نہیں رکھتے۔

الحمدللہ ہم پر واضع ہو جانا چاہیے کہ یہ دین قائم کرنے والا دین ہے نہ کہ یہ پوجا پرستش کا نام ہے۔

جسم کے ہر خلیے میں جینز ہوتے ہیں اور جینز میں مکمل معلومات ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک عمارت بنانی ہے اس کے لیے ایک نقشہ بنانا ہو گا اس کے بعد ایک انجینئر ہو گا جو اپنی نگرانی میں اس نقشے کے مطابق عمارت تعمیر کروائے گا۔ جسم میں موجود تمام جینز کے مجموعے کو ڈی این اے کہا جاتا ہے۔ ڈی این اے یعنی ایک ایسا نقشہ جس میں مکمل معلومات ہیں۔

جن خلیوں سے آپ کی آنکھیں بن رہی ہیں ان میں موجود جینز ان خلیوں کو ہدایات دے رہے ہوتے ہیں کہ انہوں نے کتنا بڑھنا ہے، کیا رنگت اختیار کرنی ہے، کیا کیا خصوصیات ہوں گی سمیت تمام ہدایات دے رہے ہوتے ہیں خلیے ،جینز کی طرف سے موصول ہونے والی ہدایات پر عمل کرتے ہیں اور متعلقہ شئے وجود میں آتی ہے۔ جینیٹیکلی موڈیفائی اور گا نیزم جینز میں معلومات کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ بلکل ایسے ہی جیسے کہ آپ نے عمارت تعمیر کروانے کے لیے اپنی مرضی کیمطابق ایک نقشہ بنوا کر انجینئر کو تھما دیا کہ وہ اپنی نگرانی میں اس نقشے کیمطابق عمارت تعمیر کروائے یعنی مستریوں اور مزدوروں کو نقشے کے مطابق ہدایات دیتا رہے۔ پھر ایسا ہو کہ آپ کا کوئی دشمن اس نقشے میں ایسے تبدیلی کر دے کہ انجینئر کو اس کا علم ہی نہ ہو اور وہ تبدیل شدہ نقشے کیمطابق عمارت تعمیر کروا دے۔

جینیٹیکلی موڈیفائی اورگانیزم اور غیر فطری اشیاء خلیے میں موجود جینز کی معلومات تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اگر ایسی خوراک استعمال کی جائے تو وہ خوراک بھی وہی کام کرتی ہے جو اس کے ساتھ کیا گیا یعنی وہ اس خوراک کے استعمال کرنے والے کے جینز میں معلومات تبدیل کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ سبحان وتعالیٰ جو کہ سبحان ہیں وہ عیب دار خلق نہیں کرتے اس کے باوجود اگر کوئی عیب دار یعنی اندھا پیدا ہوتا ہے تو اس کی وجہ کیا بنی؟ اللہ سبحان وتعالیٰ نے جینز میں آنکھ کا وہ نقشہ رکھ دیا جس کے خالق اللہ سبحان وتعالیٰ ہیں اگر تو اس نقشے کیمطابق آنکھ کی تخلیق ہوگی تو آنکھ ہر عیب سے پاک تخلیق ہوگی لیکن اگر اس نقشے میں کوئی تبدیلی کر دی گئی تو آنکھ تبدیل شدہ نقشے کیمطابق خلق ہوگی۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان کو علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے جینز کی معلومات میں تبدیلیوں کا باعث بن رہا ہے۔ اس کا کھانا، پینا، سننا، دیکھنا، بولنا، چلنا، اس کے جسم کا سورج یا سورج کے علاوہ جن ذرائع سے بھی حرارت حاصل کرنا اس کے جسم میں موجود جینز کی معلومات پر اثر انداز ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر تو یہ سب اعمال طیب ہوں گے تو جینز میں وہ نقشہ بھی طیب رہے گا یعنی نقشہ کسی بھی تبدیلی سے پاک رہے گا لیکن اگر ان سب اعمال میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو شریک کیا گیا تو شراکت کے مطابق نقشے میں تبدیلیاں واقع ہوں گی اور ان کا اظہار جسم پر مختلف صوروں میں ہوگا۔

اگر ہم ایسی خوراک کھائیں گے جو جدید سائنسی طریقے سے تیار کی جا رہی ہے تو اس کے جسم پر بہت گہرے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ دن بدن نئی نئی بیماروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

انسان جس طرح آج انسان اور غذا میں دخل اندازی کر رہا ہے اس کا انجام بہت جلد یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان سور اور بندر وغیرہ کی صورت اختیار کر جائیں۔ کیونکہ انسانی خلیے کا نظام جتنا پیچیدہ ہے اس میں ایک چھوٹی سی غلطی سارے نظام کو ایسے متاثر کر سکتی ہے کہ پھر معاملہ انسان کے اختیار سے باہر ہو جائے اور پھر سوائے پچھتاوے کے کچھ باقی نہ رہے۔ سور اور بندر کی صورت اختیار کرنے کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ انسان آج غذاؤں اور انسانی جسم میں سب سے زیادہ سور اور بندر کے ہارمونز اور جینز کا استعمال کر رہا ہے اس کے علاوہ بذات

خود انسان کے جینز کا بھی استعمال کر رہا ہے۔ اور وہ کوئی بھی ایسا لمحہ ہو سکتا ہے جب انسان کے لیے محض پچھتاوے سے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

ایلوپیتھک ادویات

ایلوپیتھک ادویات جن کو انگریزی ادویات بھی کہا جاتا ہے اور اس وقت پوری دنیا میں ان کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے بلکہ اگر حقیقت دیکھی جائے تو اس وقت دنیا میں صرف یہی ادویات استعمال کی جا رہی ہیں۔۔ان کی بنیاد زمین سے نکالے جانے والے خام تیل سے اخذ کیے جانے والے کیمیکلز ہیں۔کئی سو قسم کی منشیات ہیں جو ان جدید سائنسی ادویات میں استعمال کی جاتی ہیں۔۹۹ فیصد سے زائد ادویات میں منشیات کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ جن کیمیکلز سے یہ ادویات تیار کی جاتی ہیں وہ بنیادی طور پر منشیات ہیں۔منشیات کو اسلام میں حرام قرار دینے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ منشیات انسانی جسم کے خلیوں میں جب داخل ہوتی ہیں تو ان خلیوں کے بعض حصے اس طرح متاثر ہوتے ہیں کہ اس کے بعد ان خلیوں کی بقا کے لیے نشہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔جس کے بعد اگر نشہ نہ ملے تو بھی ان خلیوں میں تباہی برپا ہوتی ہے اور اگر ملے تو باقی خلیے بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔پھر پورا جسم ہی فطرت سے ہٹ جاتا ہے۔اسی طرح ایک انسان جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور ان دجالی ادویات کا استعمال کرتا ہے تو فوری طور پر تو اسے اس بیماری سے کسی حد تک نجات مل جاتی ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اسے مختلف بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ اس لیے ہوتا ہے کہ جب ایسی ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ جسم کے مخصوص حصے یا مخصوص بیماری کو توقتی طور پر دور کر دیتی ہیں لیکن اس کے علاوہ یہ جسم کے تمام خلیوں کو متاثر کر دیتی ہیں پھر جیسے جیسے وقت گزرتا ہے تو خلیوں پر اثر گہرا ہوتا چلا جاتا ہے پھر ایک دن آتا ہے اس اثر کا اظہار کسی نہ کسی بیماری کی صورت میں ہوتا ہے۔یہ سب تو منشیات کی کم مقدار کے استعمال سے ہوتا ہے لیکن اگر منشیات کی زیادہ مقدار استعمال کی جائے تو وہ انسان کی عقل پر ہی پردہ ڈال دیتی ہیں۔ ان ادویات میں استعمال ہونے والے کیمیکلز اور منشیات کی تفاصیل درج کرنے کے لیے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے اگر اس پر محنت کی جائے تو لاتعداد صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔اس لیے جو سب سے بہتر ہے وہ یہی ہے کہ ہم اللہ سبحان وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے خود کو اس خباثت سے بچائیں۔پیچھے انسانی جسم کے نظام پر بہت مفصل بات ہو چکی ہے اس کو سامنے رکھ کر ان ادویات کے نقصانات کا جائزہ لیں تو ان شاء اللہ بہت کچھ واضع ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی کثرت میں نشہ ہو اس کا تھوڑے سے تھوڑا بھی حرام ہے۔ (ترمذی)

ذرا غور تو کریں جب رسول اللہ ﷺ اسے حرام قرار دے رہے ہیں تو ہم نے کیسے حلال قرار دینے کی جرأت کی۔کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے یا ان سے بغاوت و دشمنی؟

اسی طرح جب بچوں کی پیدائش ہوتی ہے تو ان کو طرح طرح کی ویکسینیشن کی جاتی ہے۔پولیو وغیرہ کے نام پر زہر پلایا جاتا ہے۔ذرہ غور کریں ہمارے اس عمل کی حقیقت کیا ہے جس پر ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔بنیادی طور پر ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں

اپنے عمل کے ذریعے کہ اے اللہ تو نے ہمیں ایسا بچہ دیا جو کہ عیب دار ہے یعنی بیماری زدہ ہے یا تو نے اس کو نامکمل تخلیق کیا جس کی وجہ سے کل کو اسے بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس لیے دیکھ ہم اس کو مستقبل میں محفوظ بنانے کے لیے اس کی ضروریات اسے مہیا کر رہے ہیں اس کے جسم میں داخل کر رہے ہیں۔ تجھے تو اتنا علم ہی نہ تھا کہ تو ان ویکسینوں کے ساتھ یہ بچہ پیدا کرتا اس لیے دیکھ ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ اب ذرا غور کریں اس سے بڑا اور کیا شرک ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑا اور کیا کذب افتراء ہو سکتا ہے اللہ پر۔ اس وقت ہم نے اللہ پر توکل کیا یا دجال کے زہر پر جس کو اس نے ادویات کے نام سے زندگی کی ضمانت قرار دیا ہوا ہے۔

ہم نے کسے اپنے رب تسلیم کیا؟

زبان سے ہم اللہ کو رب کہتے ہیں اور اپنے عمل سے دجال کو رب بناتے ہیں کیا ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ ہم اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ ادویات اور ویکسینیشن بہت ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج سے محض چند سال قبل جب یہ ادویات نہیں تھیں تو کیا اس وقت علاج نہیں ہوتا تھا؟

کیا اس وقت پیدا ہونے والے بچے ایسے ہی ہوتے تھے؟

کیا وہ مر جاتے تھے؟

اور اگر آپ یہ کہیں کہ جی موجودہ دور کا پہلے ادوار سے تقابل نہیں کیا جا سکتا تب ایسی بیماریاں نہیں تھیں جو آج ہیں اس لیے ضروری ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے جسے آپ ترقی کا نام دیتے ہیں یہ ترقی ہے یا پھر فساد؟

اگر ترقی ہوتی تو جو ان ادوار میں بیماریاں تھیں وہ بھی ختم ہو جانی چاہیے تھیں لیکن ہوا اس کے برعکس تب ایک آدھی بیماری ہوتی تھی لیکن آج لاتعداد بیماریاں وجود میں آ چکی ہیں اور دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہیں اس سے تو بلکل واضع ہوتا ہے کہ یہ ترقی نہیں بلکہ فساد ہے ہم دن بدن تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ آئے روز کسی نہ کسی نئی بیماری کا نام سامنے آ جاتا ہے اور پھر اس کے لیے ادویات تیار کی جاتی ہیں یہی سلسلے چلتا جا رہا ہے ذرا غور کیجئے آخر کون سی وجوہات ہیں اس کے پیچھے؟

پھر جب ایک دوائی تیار کی جاتی ہے وہ چند سال لوگوں کے جسموں میں انڈھیلی جاتی ہے پھر کہا جاتا ہے اس کے نقصانات فائدے سے زیادہ ہیں لہذا اس پر پابندی عائد کی جائے اور پابندی عائد کر دی جاتی ہے اب پوری دنیا میں جن کروڑوں انسانوں کو آپ نے یہ دوائی کھلا دی ان کا کیا بنے گا؟

ظاہر ہے جب نقصان فائدے سے زیادہ ہے تو پھر نئی بیماریاں جنم لیں گی اسی طرح سلسلہ چل رہا ہے اور آج تک ہزاروں کی تعداد میں ایسی ادویات ہیں جن پر پابندی لگ چکی ہے۔ اور یہی سلسلہ چل رہا ہے۔

کوئی بھی دوا جب تیار کی جاتی ہے تو اس کے لیے سائنسدانوں کی کوشش ہر لحاظ سے اسی بیماری کو نشانہ بنانے پر مرکوز ہوتی ہے دوائی تیار

کرنے کے مراحل میں بہت سے ایسے نتائج سامنے آتے ہیں جو انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود دوائی کو بازار میں لایا جاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کوئی ایسی دوائی تیار کر سکے جس کے سائیڈ افیکٹس (بیماری کے علاج کے علاوہ جسم میں اس کے نقصانات) نہ ہوں۔ پھر جب وہ دوائی چند سال یا کچھ عرصہ استعمال کی جاتی ہے تو ایسی نئی نئی بیماریوں کا باعث بنتی ہے جن سے نمٹنے کے لیے مزید مشکل کھڑی ہو جاتی ہے اور اس کے لیے سب سے پہلے اس دوائی پر پابندی عائد کی جاتی ہے تا کہ یہ سلسلہ مزید آگے نہ بڑے لیکن اس کے باوجود بات حد سے بڑھ چکی ہوتی ہے۔ پھر جب ان نئی بیماریوں کے لیے کوئی دوا تیار کی جاتی ہے تو وہ بھی ایسے ہی نتائج دیتی ہے اور کچھ عرصے بعد اس پر بھی پابندی عائد کرنا پڑتی ہے یہ سلسلہ یونہی باقاعدگی سے چلتا جا رہا ہے اور بیماریوں کے اضافے میں اپنا کردار بھی ادا کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہم آنکھیں بند کر کے دجال پر ایمان لانے کا خوب حق ادا کر رہے ہیں اور ہمیں ذرا بھی احساس تک نہیں۔

ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کے لیے میری یہ باتیں صرف اسی حد تک ہوں کہ وہ سمجھیں کہ میں ان جاہل ملاؤں کی طرح ہی ہوں جو مغرب دشمنی میں علم کی بجائے جہل کو ترجیح دیتے ہوئے ان ادویات کی مخالفت کر رہا ہوں لیکن مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں کیونکہ جو لوگ کیمسٹری کا علم رکھنے والے ہیں ان کے لیے میری بات سمجھنا بلکل بھی مشکل نہیں ہوگا اور وہ جانتے ہیں کہ میری یہ باتیں ہوائی نہیں بلکہ ان کی بنیاد راسخ علم ہے جس کی بنیاد پر میں یہ باتیں کر رہا ہوں۔ اور جو انہیں صرف میری مغرب دشمنی پر مبنی خیالات قرار دے کر اس سے منہ موڑنے کی دلیل اخذ کریں گے حقیقت میں وہ خود علم سے عاری اور جاہل ہوں گے اور اس میں کوئی شک نہیں ہوگا۔

ایلوپیتھک ادویات جنہیں ہم انگریزی ادویات کا نام بھی دیتے ہیں یہ کیسے تیار کی جاتی ہیں۔ اور بیماریوں سے شفاء کے لیے ان میں جن کیمیکلز کا استعمال کیا جاتا ہے وغیرہ سمیت تمام سوالات کے جوابات پر مبنی علم ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ جلد ایک کتاب مرتب کروں تا کہ اصل حقائق سے عام لوگ بھی آگاہ ہوسکیں۔ مختصر یہ کہ یہ ایک ایساز ہر ہیں جو کسی بھی صورت اللہ کے دین میں حلال نہیں نہ ہی ان کے حلال ہونے کی دور دور تک کوئی گنجائش ہے۔ اگر اس کا جواب قرآن کی صرف ایک ہی آیت سے لینا چاہیں تو میرے نزدیک اس آیت سے محکم اور کوئی آیت نہیں ہے۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ٭ۙ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ. الروم ۳۰

پس قائم کرا پنا چہرہ دین کے لیے ہر طرف سے کٹ کر، اللہ کی فطرت وہی ہے جس نے لوگوں کو فطرت پر کر دیا، نہیں تبدیل کیا جا سکتا اللہ کی خلق کو، یہی ہے دین قائم کرنے والا اور لیکن لوگوں کی اکثریت غور و فکر نہیں کرتی جس وجہ سے وہ علم نہیں رکھتے۔

آیت کے شروع میں ''ف'' کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں کہ جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ کہ پس قائم کروا اپنے چہرے کو دین کے لیے حنیف۔ یعنی ہر طرف سے کٹ کرا پنے چہرے کو دین کے لیے قائم کرو اور دین کیا ہے اس کا جواب بھی اللہ سبحان وتعالیٰ نے دے دیا کہ دین اللہ کی فطرت ہے۔ اسی نے لوگوں کو بھی فطرت پر کر دیا یعنی اس نے جیسے خلق کیا اور جیسا نظام قائم کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں کرنی۔ رائی برابر بھی اپنی مرضی کا استعمال نہیں کرنا۔ فطرت پر قائم ہونا ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں کسی قسم کی کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی۔ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی غلامی میں گزارنا ہے یہ ہے دین اور پھر اللہ سبحان وتعالیٰ نے ساتھ ہی یہ بھی آگاہ کر دیا کہ اگر تم فطرت پر قائم نہ رہے تو کیا ہوگا؟
کہ اگر تم طفرت پر قائم نہ رہے تم نے اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کی تو جان لو اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی اس کے باوجود تم اللہ کی خلق میں چھیڑ چھاڑ کرو گی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گرزارو گے، اپنی مرضی کے مطابق اعمال کرو گے عمل کی بجائے ظن سے کام لو گے تو پھر اللہ کی خلق میں تبدیلیوں کا باعث بنو گے جو کہ تبدیلی کی متحمل ہیں ہی نہیں تو اس کا نتیجہ صرف اور صرف تباہی کی ہی صورت میں نکلے گا۔ اللہ کی مخلوقات میں فساد ہو جائے گا۔ جو کہ آج ہم ہر سطح پر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔
اللہ سبحان وتعالیٰ نے بتا دیا کہ یہی ہے دین قائم کرنے والا۔ یعنی دین کوئی پوجا پرستش کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دین قائم کرنے والا ہے کہ صرف اور صرف اپنا رخ اللہ کی طرف کر کے فطرت پر قائم ہو جانا۔ اٹھنا، بیٹھنا، کانا، پینا، رہن سہن، دوستی، دشمنی، نظام حتیٰ کہ سب کچھ وہی ہونا چاہیئے جس کا انتخاب اللہ نے ہمارے لیے کیا کوئی بھی شئے مصنوعی نہیں ہونی چاہیئے۔ کوئی بھی عمل کوئی بھی شئے مصنوعی یا ملاوٹ والی نہیں ہونی چاہیئے یہ ہے دین اسلام۔ یہ وہ طریقہ جس پر عمل کر کے جہنم کی آگ سے سلامتی مل سکتی ہے۔
لیکن لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں۔ کیوں علم نہیں ہے اس کا جواب یعلمون کے شرع میں ''ی'' کے استعمال سے مل جاتا ہے۔ کہ لوگوں کی اکثریت اللہ کی آیات جو کہ تمام کی تمام مخلوقات اللہ کی آیات ہیں اس کے علاوہ وہ سب بھی اللہ کی آیات ہیں جن میں غور و فکر کرنے سے انسان اللہ کو پہچان جائے میں غور و فکر نہیں کرتے اس لیے لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں اور وہ ظن سے کام لیتے ہیں۔ اپنی خواہشات کی اتباع کو ہی دین سمجھ لیا ہوا ہے۔

یہ ایک دجل ہے اللہ کے لیے اس دجل کو سمجھیں اور دین کی طرف پلٹیں۔ فطرت پر آجائیں کوئی بیماری آپ کے قریب نہیں آئے گی۔ آپ کی زندگی بہت خوشگوار اور آسان ہو جائیگی۔ آپ بہت سی فکروں سے آزاد ہو جائیں گے۔ دین کو جو آج ہم نے بنا دیا اور سمجھ لیا وہ دین نہیں ہے۔ دین تو پیدائش سے لیکر موت تک ہر لمحہ اللہ کی غلامی میں بسر کرنے کا نام ہے۔ کسی بھی کام میں کسی بھی عمل میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا نام دین ہے۔ دانت صاف کرنے ہیں تو اس میں بھی اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ مثلاً دانتوں کا خالق کون ہے؟　　اللہ۔

تو کیا اللہ کو یہ نہ علم تھا کہ دانتوں کی حفاظت کیسے کرنی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے کس شئے کی ضرورت ہے؟

دانتوں کی کیا ضروریات ہیں؟

اللہ سبحان ہے وہ پاک ہے ہر قسم کی نفی سے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے دانت تو خلق کر دیئے لیکن ان کی ضرویات کا اسے علم نہ ہو اور اس نے وہ خلق نہ کی ہوں۔ اس نے وہ سب خلق کر دیا۔

جس کو اللہ سبحان وتعالیٰ اس آیت میں یوں بیان کرتے ہیں۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ . الانعام ۳۸

نہیں فرط کیا ہم نے کتاب میں کسی شئے سے پھر یہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔

مَا فَرَّطْنَا . نہیں فرط کیا ہم نے، فرط کہتے ہیں۔ جو بھی کام کیا اس کے کرنے میں کہیں نہ کہیں رائی برابر بھی کسی نہ کسی خامی کا رہ جانا جس سے بعد میں کام میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

تو اللہ سبحان وتعالیٰ نے جب ہمیں خلق کیا تو کیا اللہ سبحان وتعالیٰ نے فرط کیا؟ اللہ سبحان وتعالیٰ کہہ رہے ہیں "نہیں فرط کیا ہم نے کتاب میں کسی شئے سے" لیکن ہم اپنے عمل سے اللہ کے سامنے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اے اللہ (نعوذ باللہ ثمہ نعوذ باللہ) تو نے فرط کیا۔ تو نے ہمیں نامکمل خلق کیا، تجھے ہماری ضرورتوں کا ہی علم نہ تھا دیکھ ہم خود خلق کر رہے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس سے بڑا اللہ پر اور کیا بہتان ہو سکتا ہے؟

اس سے بڑا اور کیا شرک ہو سکتا ہے؟

بہر حال اسی لیے تو اللہ نے آیت کے اگلے حصے میں کھول دیا کہ "پھر یہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔"

آج ہم بے شک نہ مانیں لیکن جب اللہ سبحان وتعالیٰ اکٹھا کرے گا تو سب کچھ سامنے آجائے گا پھر اللہ بتا دے جو ہم کر رہے ہیں اور یہ

تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں اور اس سے سرکش ہو چکے ہیں۔ بلکہ ہم اپنے اعمال سے یہ دعوے کررہے ہیں کہ ہم ہی خالق ہیں۔ہم ہی مالک ہیں اور ہم ہی الہ ہیں۔ہم اللہ کے ساتھ اس کے ہر کام میں شریک بنے ہوئے ہیں

اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں خلق کیا اور ہر عیب سے پاک خلق کیا، اس نے ہماری تمام ضروریات کو بھی خلق کیا۔
اور اپنے آخری نبی کے ذریعے عملی طور پر ہمیں آگاہ کر دیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے دانتوں کی صفائی کے لیے مسواک تخلیق کی۔اور غور کریں جب ہم دانت صاف کرتے ہیں تو اللہ کے ساتھ کس کس کو شریک کرتے ہیں۔دانت اللہ کے لیکن صفائی کے لیے سامان اللہ کے علاوہ کسی اور کا۔جب ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم اوروں کو اللہ کے مقابلے میں لا کھڑا کرتے ہیں۔اپنے کسی بھی عمل کو لے لیجئے۔اور غور کیجئے کہ آپ ہر لمحے اپنے ایک ایک عمل میں کتنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ رہے۔
اگر آج آپ نے جان لینے کے باوجود تکبر کیا خواہ اس کے لیے کوئی بھی دلیل گھڑ لیں تو جان لیں اللہ کی قسم روز محشر وہ دلیل آپ کے کچھ کام نہ آئے گی بلکہ آپ کے لیے جہنم حلال کرنے کا ایک ذریعہ ثابت ہوگی۔اللہ کی غلامی اختیار کیجئے غلام وہ ہوتا ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی وہ مالک کے حکم پر اپنی عقل نہیں چلاتا بلکہ جو مالک نے حکم دے دیا فوراً اس پر لبیک کہتے ہوئے عمل کرتا ہے خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے یا کسی بھی آزمائش کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

ہمیں ہر وقت یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو بھی عمل ہوتا ہے یا کیا جاتا ہے اس کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔اسے انگلش میں Law of Nature یعنی قدرت کا قانون کہا جاتا ہے اور سائنس یعنی علم سے آج یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قدرت کے قانون کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔اگر ہم کوئی ایسا عمل کریں گے تو اس سے فساد ہی ہوگا جس کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہ ہوگا خواہ وہ تباہی و بربادی چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے پیمانے پر۔
اس لیے ہم جو بھی عمل کرتے ہیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا ردعمل لازمی پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ بڑے عمل کا بڑا ردعمل ہو اور چھوٹے عمل کا چھوٹا یعنی اس میں کوئی حدود و قیود نہیں یہ قدرت کے قانون پر منحصر ہے کہ کس عمل کا تعلق کس سے ہے۔جس کے مطابق ردعمل پیدا ہو کر ظاہر ہوگا اور ردعمل کا ظاہر ہونا یہ بھی قدرت کے قانون پر منحصر ہے خواہ ردعمل جلد ظاہر ہو یا بدیر۔اس کے علاوہ یہ بھی قدرت کا قانون ہے کہ اگر عمل قانون کے مطابق ہوگا تو ردعمل مثبت پیدا ہوگا اور اگر عمل قدرت کے قانون کے خلاف ہوگا تو ردعمل منفی پیدا ہوگا جس کا اظہار تبدیلی وتباہی کی صورت میں ہوتا ہے خواہ وہ جلد ظاہر ہو یا دیر سے۔
کوئی عمل ایسا ہوتا ہے جو بلکل معمولی سا ہوتا ہے لیکن اگر وہ عمل قانون قدرت کے خلاف ہو تو بڑی تباہی آتی ہے اور اس کے برعکس کوئی عمل بہت بڑا غیر معمولی ہوتا ہے لیکن ردعمل بہت چھوٹا ہوتا ہے۔اس لیے ہر وقت ہمارے ذہن میں یہ باتیں ضرور ہونی چاہئیں کہ جو بھی عمل ہم

کررہے ہیں وہ اسی طرح ہونا چاہیے جس کا اللہ سبحان وتعالیٰ نے حکم دیا کوئی بھی ایسا عمل نہیں کرنا جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ ہمارا موضوع خوراک ہے اس لیے خوراک کے جو بھی ذرائع ہیں ان میں سے کسی بھی ذرائع سے جسم میں داخل ہونے والی کم سے کم خوراک کو بھی معمولی سمجھ کر بے احتیاطی سے ہر صورت بچنا ہم پر فرض ہے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسے ہم معمولی سمجھ رہے ہوں وہ ہمارے لیے ہماری آخرت میں عذاب کا موجب بن جائے۔

ہم جنس پرستی کی بنیادی وجہ۔

ایک تجربہ کیا گیا شیشے کے دوٹکڑوں کو ریشم کے کپڑے سے رگڑا گیا تو اس سے ان دونوں میں ایسی قوت پیدا ہوگئی جس سے شیشے کے دونوں ٹکڑوں کو نزدیک کرنے پر ایک دوسرے سے دور دھکیلنا شروع کر دیا۔

اس تجربے سے جو ایک بات سمجھ آئی وہ یہ ہے کہ اگر کسی ایک ہی جنس پر کوئی اس طرح کا کیمیائی عمل کیا جائے تو اس کے ذرات میں الیکٹران کی سمت تبدیل ہو جاتی ہے اور اس سے اس میں متضاد قوت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ . الذاریات ۴۹

اور ہر شئے سے خلق کیا ہم نے اس کے دو جنسیں (جوڑا)

زوجین۔ کہتے ہیں ایک ہی خلق کی دو جنس، جیسے انسانوں اور جانوروں میں نر اور مادہ۔ اسی طرح اللہ کی خلق کی ہوئی ہر شئے کی دو جنسیں ہیں اس کی خلق کے اعتبار سے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ اس آیت میں بتا رہے ہیں کہ انہوں نے ہر شئے سے جوڑا بنایا۔ آیت بہت ہی قابل غور ہے آیت میں یہ نہیں ہے کہ ہر شئے ''کی'' دو جنسیں خلق کیں (جوڑا خلق کیا)۔ بلکہ ہر شئے ''سے'' خلق کیا زوجین اس کی دو جنس۔

کی اور سے میں فرق ہوتا ہے۔ اگر ہر شئے کی دو جنس خلق کیں آتا تو اس کا مطلب تھا کہ دونوں جنس الگ الگ خلق کیں۔ لیکن سے کے استعمال ہونے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے ایک شئے خلق کی پھر اس سے اس کی مخالف جنس خلق کی۔ جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلق کیا اور آدم علیہ السلام سے ان کی مخالف جنس عورت ہماری ماں حوا علیہ السلام کو خلق کیا۔

اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کا بھی جوڑا بنایا ہے نر اور مادہ۔ اگر ہمارے پاس مقناطیس کے دو ٹکڑے ہوں تو ان کی ایک ہی طرف آمنے سامنے کریں تو وہ ایک دوسرے کے قریب آنے کی بجائے دور دھکیلتے ہیں لیکن اگر ان کی مخالف اطراف کو قریب کریں گے تو وہ فوراً ایک دوسے سے چپک جائیں گے۔ یہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی آیات ہیں جن سے ہمیں اللہ کے قانون کو سمجھنا چاہیے۔ مقناطیس کے ساتھ ایسا اس لیے ہو کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کہا کہ اس نے ہر شئے کا جوڑا بنایا ہے تو مقناطیس کشش کا بھی جوڑا بنایا ہے اور اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہر شئے کے جوڑے میں یہ کشش بھی رکھی ہے۔ جیسے مقناطیس کی مقناطیسی کشش۔ ایک نر اور دوسرا مادہ ہوگا تو دونوں ایک دوسرے کو اپنے قریب

کھینچیں گے ورنہ نہیں۔بلکل یہی اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان میں رکھا ہے۔مرداورعورت کے جسم سے خارج ہونے والی لہروں کارخ ایک دوسرے کے متضاد ہوتا ہے جب تک مردعورت کے جسم سے خارج ہونے والی لہروں کارخ متضاد ہوگا تب تک ان میں ایک دوسرے کی کشش ہوگی اوراگردونوں کی کشش ایک ہی ہوجائے تو وہ ایک دوسرے سے دوری اختیار کریں گےاورمخالف کشش والے کے قریب ہوں گے۔

انسانی جسم سے خارج ہونے والی شعاعیں جنہیں عام انسانی آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں۔ان شعاعوں کی ہی وجہ سے انسان کسی سے محبت یانفرت کرتا ہے۔انسانی جسم کی اکائی خلیہ اورخلیہ ذرات سے وجود میں آتا ہے ذرے کانظام بلکل ایسے ہے جیسے ہمارانظام شمسی ہے۔ ذرے کامحور نیوکلیئس کہلاتا ہے جس میں نیوٹران اور پروٹان ہوتے ہیں اوران کے گردالیکٹران گردش کرتے ہیں جس سے قوت پیداہوتی ہے جوشعاعوں کی صورت میں اس وقت تک خارج ہوتی رہتی ہے جب تک ذرے کانظام قائم رہے۔ الیکٹران کے دائیں سے بائیں کی طرف گردش کرنے سے جوقوت پیداہوتی ہے وہ اس سے مختلف ہوتی ہے جوالیکٹران کے بائیں سے دائیں گردش کرنے سے پیداہوتی ہے۔

مرد کے خلیوں میں ذرات کے نظام اورعورت کے خلیوں میں ذرات کے نظام میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے بہت فرق رکھا ہے۔اگرمرد کے جسم پرریشم رگڑا جائے توجسم کے بہت سے ذرات میں الیکٹران اپنی سمت تبدیل کرلیتے ہیں یا اگرنہ بھی کریں تواس سے مرد کے جسم سے خارج ہونے والی قوت متضاد میں تبدیل ہوجاتی ہے۔یوں مردعورت کی بجائے دوسرے مرد کی طرف کشش محسوس کرتا ہے۔یعنی ایسامرد عورت کی بجائے مرد میں دلچسپی لیناشروع کردیتا ہے۔اس کے علاوہ اور بہت سے کیمیکلز ہیں جومختلف کھانے پینے کی اشیاء میں استعمال کیے جاتے ہیں ان میں بھی یہی خصوصایت ہیں۔اورحیران کن طور پرسور کے گوشت میں اور بہت سے وجوہات کے علاوہ ایک یہ شئے بھی موجود ہے جوانسان میں ہم جنس پرستی کامادہ بھی پیداکرتی ہے۔اورسونا بھی مرد کے جسم میں یہی اثرات مرتب کرتا ہے۔

انہیں تحقیقات کی بنیاد پروہ اجزاء جوریشم میں موجود ہوتے ہیں اورمرد کے جسم میں ہم جنس پرستی کے مادے کوپیداکرنے کا سبب بنتے ہیں ان اجزاءکو بناکرانہیں آج بہت سے کپڑوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔انہیں اجزاءکوجینز نامی کپڑے میں بھی استعمال کیاجارہاہے۔یوں سمجھ لیجئے کہ جینز کا کپڑا بھی ریشم ہی ہے جومصنوعی طریقے سے تیارکیا گیا۔

اس سے یہ بھی سمجھ آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لیے ریشم حرام کیوں کیا۔سبحان اللہ

رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لیے ریشم حرام قراردیا۔مسند احمد

اللہ کا رنگ اختیار کرو

فریکوئنسی۔

جدید ٹیکنالوجی سے تیار کردہ لئڈ بلب (Led Light) پر ایک تجربہ کیا گیا۔ فریکوینسی ماپنے والے آلے سے انسانی جسم کی فریکوئنسی کو ماپا گیا اور اسی دوران لئڈ بلب کو جلایا گیا جیسے ہی بلب سے نکلنے والی شعاعیں جسم پر پڑیں تو اسی وقت جسم کی فریکوئنسی نا قابل یقین حد تک تبدیل ہوگئی جس کی وجہ سے جسم اور دماغ پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اور دماغ کے بہت سے حصے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں

اس دنیا کی ہر شئے کسی نہ کسی مخصوص رفتار سے چل رہی ہے یعنی حرکت میں ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لیکر ساتویں آسمان تک ہر شئے اپنی اپنی ایک مخصوص جگہ پر مخصوص رفتار سے حرکت میں ہے اسی طرح انسانی جسم کے ہر ذرے سمیت پورا جسم ایک مخصوص رفتار سے حرکت میں ہے اس حرکت کے پیچھے موجود عمل فریکوینسی کہلاتا ہے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ لئڈ بلب کی شعاعوں سے فریکوینسی بڑھ گئی۔ اس کے نقصانات کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ اس کے منفی اثرات جسم کے ہر ذرے پر مرتب ہوتے ہیں۔

ہر انسان کی اپنی ایک فطرتی فریکوئنسی ہے لیکن اس کے اردگرد کا ماحول اس کی فطرتی فریکوئنسی پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے اس کی فریکوئنسی تبدیل ہو جاتی ہے جیسے جیسے اردگرد کا ماحول اس کی فریکوئنسی پر اثرات مرتب کرتا ہے ویسے ویسے اس کی فریکوئنسی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ فریکوئنسی کے تبدیل ہونے سے ہوتا کیا ہے۔

اگر انسان اپنی فطرتی فریکوئنسی پر قائم رہے گا تو وہ ہر لحاظ سے فطرت پر رہے گا اس کی سوچیں، اس کی سمجھ، اس کے جذبات اس کے احساسات، اس کی صلاحیتیں، اس کی گفتگو، اس کی پسند، ناپسند حتیٰ کہ سب کچھ فطرت پر ہوگا۔ یہ کیسے ہوتا ہے۔

ایک ٹی وی اسٹیشن کی مثال لے لیجئے۔ وہ اپنی نشریات ایک مقام سے نشر کر رہا ہوتا ہے اب اگر آپ نے ان نشریات کو دیکھنا ہے تو آپ نے اپنے ٹی وی کی فریکوئنسی وہی کرنی ہے جس فریکوینسی پر وہ ٹی وی اسٹیشن اپنی نشریات کر رہا ہے۔ جیسے ہی آپ کے ٹی وی کی فریکوئنسی تبدیل ہو کر اس کے مطابق ہو جائے گی تو فوراً وہ نشریات آپ کے ٹی وی پر نظر آنا شروع ہو جائیں گی۔ لیکن اگر آپ ٹی وی کی فریکوئنسی تبدیل کر دیں تو اس فریکوئنسی پر جو نشریات ہو رہی ہوں گی آپ کے ٹی وی پر وہ نظر آنا شروع ہو جائیں گی۔ اسی طرح آپ جس چینل کی فریکوئنسی پر ٹی وی کو لے جائیں گے ٹی وی پر اسی چینل کی نشریات ظاہر ہوں گی۔

مثلاً اگر ایک علاقے میں ہزار ٹیلی ویژن ہوں ان میں سے جتنے اس ٹی وی اسٹیشن کی فریکوئنسی پر آن ہوں گے ان پر وہی نشریات نظر آئیں گی جو پیچھے سے نشر کی جا رہی ہیں۔ جیسے ہی کوئی ٹیلی ویژن اس فریکوئنسی سے ہٹ جائے گا تو فوراً وہ نشریات غائب ہو جائیں گی اور وہی

نشریات دیکھائے گا جس فریکوینسی پر ٹیلی ویژن ہوگا۔
ایسے ہی اگر ریڈیو کی مثال لے لیں۔ فضا میں ایک سے زائد ریڈیوز کی فریکوئنسیز موجود ہیں جس فریکوئنسی پر اپنے ریڈیو کو لائیں گے اسی ریڈیو سٹیشن سے آپ کا ریڈیو جڑ جائے گا۔ پھر جو اس ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیا جا رہا ہوگا وہی سب آپ کے ریڈیو پر ظاہر ہوگا۔
بلکل اسی طرح اگر انسان اپنی فطرتی فریکوئنسی پر آ جائے تو وہ خود بخود فطرت پر آ جائے گا اس لیے کہ اس کی فریکوئنسی فطرتی ہونے سے وہ اس ذات سے جڑ جائے گا جو اس فریکوئنسی پر موجود ہے۔ پھر اس انسان کے جذبات، احساسات، سوچیں، پسند حتیٰ کہ سب کچھ وہی ہوگا جو اس فریکوئنسی پر موجود ہوگا۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۫ وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ۔ البقرۃ ۱۳۸

اور اللہ کا رنگ اور کون ہے جس کا رنگ اللہ کے رنگ سے احسن ہو، اور ہم تو اسی کی غلامی کرنے والے ہیں

اس آیت میں اللہ سبحان وتعالیٰ جنوں اور انسانوں کو اپنا رصبغۃ اختیار کرنے کو کہہ رہے ہیں صبغہ مطلب کہ انسان اللہ کے رنگ میں رنگ جائے۔ جو اللہ کو پسند میں انسان بھی وہی پسند کرے، اللہ کی چاہت میں انسان کی چاہت، جس پر یا جن وجوہات پر اللہ غضبناک ہوتا ہے انسان بھی ویسا ہو جائے۔ یہ کیسے ہوگا؟
یہ ہوگا صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرنے سے۔ صرف اللہ کی غلامی سے انسان بلکل اللہ کے رنگ میں رنگ جائے گا باقی صرف مٹی کے تقاضے رہ جائیں گے۔ اس آیت کو مزید آسانی سے سمجھنا ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ انسان مٹی اور روح کا مرکب ہے۔ مٹی کے تقاضوں کے علاوہ مٹی کی اپنی صفات ہیں اور روح کی اپنی۔
مٹی میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو تمام مٹی سے خلق کیے گئے جانداروں میں موجود ہیں جیسے کہ ہم جانتے ہیں مختلف چیرنے، پھاڑنے، کاٹنے، داڑنے، چیخنے والے درندے ہیں ان کی تمام صفات جن کو ہم ان کی خصلتوں کا نام دیتے ہیں اسی طرح سانپ، بچھو وغیرہ سمیت لا تعداد جانور ہیں۔ ان سب کی خصلتوں وخامیوں کو سامنے رکھ لیجئے یہ مٹی کی صفات ہیں اور دوسری طرف روح کی اپنی صفات ہیں۔ روح کی صفات کیا ہیں
روح کی صفات وہی ہیں جو اللہ کی چاہت ہیں جو انسان سے اللہ کو مطلوب ہے کیونکہ اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔ یعنی ایسے سمجھ لیجئے کہ جیسے ایک ٹی وی اسٹیشن نشریات کر رہا ہوتا ہے جس فریکوینسی پر ٹی وی اسٹیشن نشریات کر رہا ہوتا ہے جو جو ٹی وی اس فریکوئنسی پر ہوگا وہ وہ ٹی وہی دکھائے گا جو پیچھے ٹی وی اسٹیشن سے نشر کیا جا رہا ہے۔
اللہ کا صبغہ یہی ہے کہ مٹی کی صفات کو مغلوب اور روح کی صفات کو غالب کر دیا جائے۔ پیچھے صرف مٹی کا بت اور اس کے تقاضے رہ جائیں

باقی انسان کی سوچ ،فکر ،بول چال ۔سننا سب کچھ وہی ہو جائے جس کا اوپر سے اللہ حکم دے رہے ہیں۔

جیسے ہی انسان اس فریکوینسی پر آئے گا تو اسے کی پسند وہی ہوگی جو اللہ سبحان وتعالیٰ کی پسند ہے۔اس میں صرف مٹی کے تقاضے رہ جائیں گے باقی مٹی کی خصلتیں غالب آنے کی بجائے مغلوب ہو جائیں گی اور روح کی صفات غالب آ جائیں گی۔
انسان کی فریکوینسی تبدیل کیسے ہوتی ہے اور اس سے جسم میں کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔
انسان جب ایسی آوازیں سنتا ہے جو طیب نہیں جن میں سرفہرست میوزک ''موسیقی'' ہے وہ انسان کی فریکوینسی کو تبدیل کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔انسانی جسم کا چوہتر اعشاریہ پانچ فیصد حصہ پانی سے بنا ہوا ہے۔ جو ایک مخصوص رفتار سے حرکت کرتا رہتا ہے۔اس کی یہ حرکت خود بخود نہیں ہوتی بلکہ اس کے پیچھے ایک عمل ہوتا ہے جسے ہم انگلش میں وائبریشن اور اردو میں تھرتھراہٹ کہتے ہیں۔یہ تھرتھراہٹ لہروں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے ان لہروں کے ذریعے جن کا ادراک ہم آواز کی صورت میں کرتے ہیں۔
جیسے اگر آپ ایک گلاس میں پانی ڈال کر اس کے قریب مسلسل کچھ دیر تک بلند آواز پیدا کریں تو پانی میں ہلچل پیدا ہوگی۔آپ جیسے جیسے آواز میں تبدیلی کریں گے۔پانی کی ہلچل یعنی حرکت میں بھی تبدیلی واقع ہوتی جائے گی۔آواز کی یہ تبدیلی فریکوئنسی میں تبدیلی کہلاتی ہے۔
انسانی جسم کا جو حصہ پانی سے بنا ہے وہ بھی اسی طرح حرکت کرتا ہے۔یعنی اس کی اس حرکت کے پیچھے لہریں کارفرما ہوتی ہیں۔جس فریکوئنسی کی لہریں ہوں گی اسی فریکوئنسی کے مطابق جسم کے ہر ذرے میں حرکت پیدا ہوگی جس سے جسم پر ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔یعنی جسم کے ذرات کی حرکت پر منحصر ہوگا کہ دماغ میں کیسے خیالات پیدا ہوتے ہیں،کیسی سوچیں،فکریں،اسی طرح دل میں جذبات، پسند وغیرہ سب کچھ اسی کیمطابق ہوگا۔
لیکن اگر انسانی جسم کی فریکوینسی دوبارہ اپنی اصل حالت پر یعنی فطرت پر آ جائے تو انسان کی سوچیں،سمجھ،فکریں،جذبات،احساسات و پسند وغیرہ سب کچھ تبدیل ہو کر فطرت کیمطابق ہو جائے گا۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فریکوئنسی کو فطرت پر کیسے لایا جا سکتا ہے تو اس کے لیے دن اور رات کے کچھ مخصوص اوقات میں مراقبہ کرنا فرض ہوگا اور اس سے پہلے میوزک اور فضول گفتگو وغیرہ سے مکمل طور پر دوری اختیار کرنا ہوگی ایسے ہی جیسے انسان آگ سے بچتا ہے۔
میوزک کی جگہ صبح سویرے جنگل و باغات میں پرندوں کی آوازیں سنیں جائیں،قرآن کی قرات کو زیادہ سے زیادہ سنا جائے کیونکہ قرآن میں وہ تمام فریکوئنسیاں موجود ہیں جن سے اللہ سبحان وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نظام چلا رہے ہیں بہر حال یہ ایک الگ موضوع ہے جس کا موقع کی مناسبت سے الگ احاطہ کریں گے۔دن اور رات کے مخصوص اوقات میں مراقبہ جس کے لیے اوقات کا تعین اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمارے لیے کر دیا اور مراقبے کی احسن ترین صورت سے ہمیں اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے آگاہ کر دیا۔صلاۃ کا جزوی رکن رکوع و

سجود۔

رکوع سجود کے دوران تمام فریکوئیسیز کوڈیلیٹ کر کے صرف ایک فریکوئنسی پر آ کر مخصوص حرکات کرنا۔ جسے قرآن میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے صلاۃ میں رکوع وسجود کہا ہے۔یعنی ہر طرف سے کٹ کر اپنی توجہ صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف مرکوز کر لینا۔انسان ہر لحاظ سے فطرےت پر ہویعنی جس مقام پر ہے وہ مقام فطرتی ہو جسے انگلش میں نیچرل کہتے ہیں۔کچھ بھی مصنوعی نہ ہو۔آب وہوا،خوراک ماحول سب کچھ فطرتی ہونا بہت ضروری ہے اگر چالیس دن انسان یہ عمل کرے تو چالیس دن میں وہ مکمل تبدیل ہو جائے گا پھر خود کو اسی ایک فریکوینسی پر قائم رکھنے کے لیے روزانہ اسے اس عمل کو قائم رکھنا ہوگا۔پھر ایسا انسان صرف آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ دل سے دیکھنے کی صلاحیت حاصل کرلے گا جو عام انسانوں سے یکسر مختلف ہوگا۔اس کی سوچیں،فکریں،جذبات،احساسات اور صلاحیتیں سب کچھ خالص اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ہوں گی ایسے انسان پر شیطان کا کوئی بس نہیں چلے گا۔

اس کے علاوہ اور کون سے عوامل ہیں جو فریکوئنسی پر اثر انداز ہوکر اسے تبدیل کرتے ہیں۔وہ ہماری خوراک ہے۔

دنیا کی ہر شئے سے مسلسل رنگ برنگی لہریں نکلتی ہے۔جنہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسانی آنکھ کو براہ راست دیکھنے کی صلاحیت نہیں دی۔ انسان کے لیے وہ اللہ کے غیب میں سے ہیں۔ہم جو کچھ کھاتے ہیں ان سے بھی۔جب بھی ہم کچھ کھاتے ہیں تو جیسی لہریں اس سے نکل رہی ہوتی ہیں ہمارے جسم کا حصہ بننے کے بعد وہی لہریں ہمارے جسم سے نکلتی ہیں۔پھر وہ لہریں اسی سے جڑیں گی جن سے جڑنا اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں لکھ دیا۔قدر یعنی اللہ سبحان وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کچھ علم وحکمہ سے خلق کیا۔کیا عمل ہوگا اور اس کا کیسا ردعمل ہوگا یہ اسی علم وحکمہ کے مطابق ہوگا۔مثلاً اللہ سبحان وتعالیٰ نے مقناطیس میں لوہے اور مقناطیس کو ہی اپنی قریب کھینچنے کی صلاحیت رکھی اب وہ مٹی یا کچھ اور کو نہیں کھینچے گا۔اسی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ نے جن لہروں کا جن سے تعلق قائم ہونا قدر میں کر دیا ان کا انہی سے تعلق قائم ہوگا۔بلکل ایسے ہی جیسے آپ جس کا نمبر ملائیں گے اسی کے فون پر گھنٹی بجے گی کسی اور کے فون پر نہیں۔ ایسے ہی جو لہریں ان اشیاء سے خارج ہوتی ہیں جو ہر لحاظ سے فطرتی ہیں تو ان کا تعلق بھی انہیں سے قائم ہوگا جن سے اللہ سبحان وتعالیٰ نے قدر میں کر دیا۔کہ اگر ہم حلال طیب خوراک کا استعمال کریں گے تو ہمارے جسم سے خارج ہونے والی لہریں ان لہروں سے جڑیں گی جن کے ذریعے انسان کا اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے۔ورنہ اگر حرام اور خبیث کو جسم کا حصہ بنائیں گے تو جسم سے خارج ہونے والی لہریں بھی حرام اور خبیث سے ہے جڑیں گی اور انسان کی سوچیں،فکریں،جذبات،احساسات،پسند ناپسند سمیت سب کچھ شیطانی ہوگا انسان میں مادہ پرستی غالب آئے گی وہ دنیا کے مال ومتاع سے ہی حب کرے گا۔

مثال کے طور پر مقناطیس کو ہی لے لیں۔ اس سے خارج ہونے والی لہروں کو ہم دیکھ نہیں سکتے لیکن ہم ان کو مقناطیسی کشش کا نام دیتے ہیں۔وہ قوت لوہے کو یا پھر مقناطیس کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔اگر مٹی،لکڑی یا پلاسٹک وغیرہ قریب کریں گے تو ان کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت ان میں نہ ہوگی۔ بلکہ اسی طرح ہر شئے کا معاملہ ہے۔اگر ہم خبیث غذا کھائیں گے تو اس سے نہ صرف ہمارا جسم

خبیث بنے گا اور بیماریاں پیدا ہوں گی بلکہ ہم اسی طرف کھنچے چلے جائیں گے جیسی لہریں اس خبیث جسم سے خارج ہو رہی ہوں گی۔ ہم دنیاوی مال ومتاع کو پسند کریں گے۔ ہماری خواہشات، سوچیں، فکریں، پسند وغیرہ سب کچھ مادیت کی طرف راغب ہوگا کیونکہ اس خوراک سے ہماری فریکوینسی بھی تبدیل ہو چکی ہوگی پھر جو کچھ اس فریکوینسی پر موجود ہوگا اسی سے ہم جڑیں گے اور ہمارے جسم کے تمام اعضاء پر اس کا اظہار ہوگا یعنی ہمارے جسم کے تمام اعضاء وہی کریں گے۔ لیکن اگر ہم طیب کھائیں گے تو طیب میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے ایسی قوت رکھی ہے جو طیب کے ساتھ ہی جڑتی ہے ہماری فریکوئنسی فطرت پر آ جائے گی پھر جسم کے تمام اعضاء پر اس کا اظہار ہوگا یعنی جسم کے تمام اعضاء وہی سب کریں گے جو اس فریکوینسی پر موجود ہوگا۔

انسان کا تعلق اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ قائم رہے گا جس سے انسان پر روح کی صفات غالب آ جائیں گی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ طیب ہے اور طیب سے حب کرتا ہے۔

حلال بھی واضع اور حرام بھی واضع

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا سنا ہم نے رسول اللہ ﷺ نے کہا!
اس میں کچھ شک نہیں کہ حلال ہر لحاظ سے واضع ،کھلا ہوا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حرام بھی ہر لحاظ سے واضع ،کھلا ہوا ہے۔اور ان کے درمیان کا سب شبے والا ہے جس کا علم لوگوں کی اکثریت کو نہیں۔پس جو بچا شبہات سے اس نے بچالیا اپنا دین اور عزت۔اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔جس طرح وہ چرواہا جو چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے قریب ہے اس کا جانور اس میں چرے۔
جان لو اس میں کچھ شک نہیں ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، جان لو اور اس میں کچھ شک نہیں اللہ کی چراگاہ وہ سب جو اس کا حرام کردہ ہے۔جان لو اس میں کچھ شک نہیں جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ ٹھیک ہو اس میں کوئی خرابی نہ ہو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے اس میں خرابی نہیں ہوتی اور جب اس میں خرابی ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔جان لو وہ دل ہے۔ بخاری و مسلم

اس حدیث سے بھی بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ خوراک ایک ایسی شئے ہے جو سب سے زیادہ دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔اور جب تک دل ٹھیک ہو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے جب دل خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔کیونکہ جب دل طیب ہوگا تو اس کا ہر وقت اللہ کے ساتھ تعلق قائم رہے گا اور پورا جسم اللہ کی غلامی میں ہوگا لیکن جب اللہ سے تعلق ہی ٹوٹ جائے گا رابطہ ہی نہیں رہے گا تو پھر اللہ کی جگہ شیطان لے لے گا اور انسان کا پورا جسم تباہ و برباد ہو جائے گا اس کے تمام اعمال میں اللہ کی بغاوت ہوگی۔
یہ حدیث بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اس میں حلال واضع اور حرام واضع اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب ایسی اشیاء ہیں جن کے بارے اکثریت کے پاس علم نہیں ہوتا کہ وہ انسان کے جسم و نفس کے لیے فائدہ مند ہیں یا نقصان دہ کیونکہ اس جسم کا خالق اللہ سبحان وتعالی ہے اس نے جس پیچیدگی سے اس کو خلق کیا انسان کے بس کی بات ہی نہیں کہ وہ اس جسم کے نظام کو مکمل طور پر جان کے اس کے فائدے و نقصان کا اندازہ کر سکے۔انسان جتنے بھی دعوے کر لے لیکن اس کی بنائی ہوئی اشیاء میں ظاہراً تو فائدہ نظر آئے گا لیکن حقیقت اس کے بلکل برعکس ہوگی۔فوری طور پر تو فائدہ حاصل ہوگا لیکن اس کے ماضی میں جسم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے یا جسم کے کس کس حصے کو متاثر کرے گا یہ انسان کے علم سے باہر ہوگا۔جب اسے اس کا علم ہوگا تو بات حد سے بڑھ چکی ہوگی۔پھر اس خرابی کو دور کرنے کے لیے کوئی دوا تیار کرتا ہے اس کا معاملہ بھی یہی ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ہر وہ شئے جو اللہ کی طرف سے واضع حلال اور واضع حرام میں نہیں ہے۔خواہ وہ بچوں کے کھانے کی اشیاء ہوں یا بڑوں کے کھانے کی اگر تو وہ سو فیصد قدرتی نہیں اور ایسی جن کے بارے میں اللہ نے واضع آگاہ نہ کر دیا ہو تو وہ شبہات والی میں شمار ہوں گی۔جیسے آج سائنسی طریقوں سے اگائی جانے والی یا پھر مصنوعی طریقوں سے بنائی جانے والی تمام کی تمام اشیاء۔یا وہ اشیاء بھی جن میں کسی بھی قسم کی مصنوعی ملاوٹ کر دی گئی ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال دی اس کو ایسے سمجھ لیتے ہیں کہ مثال کے طور پر آپ بکریوں کا ریوڑ ایک ایسے کھیت کے اردگرد چروار ہے ہوں جس میں قیمتی فصل ہو اور وہ کسی ایسے انسان کی ملکیت ہو جو بہت طاقتور ہو۔ اب تصور کریں اگر آپ سو جائیں، غافل ہو جائیں یا ریوڑ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ یعنی ریوڑ اس کھیت میں چر کر فصل کو تباہ کر دے گا جس وجہ سے اس کا مالک آپ کو سزا دے گا۔

ہماری اس زندگی میں اس دنیا میں اللہ کی بھی ایک ایسی چراہ گاہ ہے جو انسانوں پر حرام ہے۔ وہ ہے ہر وہ شئے جو اللہ کی حرام کردہ ہے۔ جس میں سب کچھ ہی آجاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق خوراک سے ہو، سننے سے، دیکھنے سے، چھونے سے یا پھر وہ سب کا سب جو اللہ کا غیب ہے۔ ہم کسی بھی اس شئے کے نزدیک نہیں جائیں گے جو اللہ نے ہم پر حرام کر دی۔ اس حدیث میں اصل ذکر خوراک کا ہے۔ جس کی وجہ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ ادا کیے تو اس وقت موضوع خوراک اور اس کے جسم پر مرتب ہونے والے اثرات تھے۔ لیکن یہ خوراک کے علاوہ تمام موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ بہر حال پھر جسم میں گوشت کے ایک ٹکڑے کا ذکر ہے کہ اگر وہ ٹھیک رہے گا تو سارا جسم ٹھیک اور اگر اس میں خرابی ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

دل کی انسانی جسم میں کیا اہمیت ہے اس کو سمجھنا بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے ہم یہاں ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے محنت مشقت کر کے مشکل سے ایک گاڑی خریدی۔ آپ کا ایک بیٹا ہو جو شیلا نوجوان ہو جس نے نئی نئی گاڑی چلانا سیکھی ہو وہ جب بھی آپ کی غیر موجودگی میں گاڑی چلاتا ہے تو انتہائی لاپرواہی اور بے احتیاطی سے۔ حد رفتار سے کہیں زیادہ رفتار سے گاڑی چلاتا ہے اور گاڑی کی دیکھ بھال کا بھی ذرا برابر خیال نہیں رکھتا۔ لیکن جب آپ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائیں گے تو کیا وہ پھر بھی ایسے ہی گاڑی چلائے گا؟ یقیناً نہیں۔ تب وہ کوشش کرے گا کہ اس سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بھی غلطی نہ ہو جس پر آپ کو اسے ڈانٹنے کا موقع ملے۔ لیکن اگر آپ گاڑی میں موجود نہ ہوں تو وہ کیا کرے گا؟

یا پھر بے شک آپ گاڑی میں موجود ہوں لیکن اس حالت میں ہوں کہ نشے میں ایسی حالت ہو کہ آپ مردے کی طرح پڑے ہوئے ہوں تو؟ یا کسی بھی ایسی حالت میں ہوں کہ آپ کی موجودگی غیر موجودگی کی طرح ہو۔

اب اسی طرح ایک دوسری مثال لے لیں۔ کہ آپ اپنے بیٹے کو گاڑی چلانا سیکھانا شروع کریں تو وہ آپ سے لمحہ بہ لمحہ پوچھتا رہے گا کہ اب کیا کرنا ہے، کون سا گئیر لگانا ہے، کہاں کتنی رفتار رکھنی ہے۔ پھر جیسے جیسے جو جو آپ کہیں گے وہ کرتا رہے گا اس طرح سب کچھ ٹھیک رہے گا۔

بلکل اسی طرح انسان کے جسم میں دل اور دماغ کی اہمیت ہے۔ انسانی دماغ دو حصوں میں تقسیم ہے دماغ کا دایا حصہ جسم کے بائیں حصے پر اختیار رکھتا ہے اور دماغ کا بایاں حصہ جسم کے دائیں حصے پر۔ دماغ کا دایاں حصہ مثبت سوچ و فکر کا حامل اور بایاں منفی سوچ و فکر کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن دونوں حصوں میں صلاحیت ایک جیسی ہوتی ہے۔ دماغ کے دونوں حصوں کا معاملہ یہ ہے کہ دونوں میں ہر وقت جنگ جاری رہتی ہے جو کامیاب رہتا ہے وہ دوسرے حصے پر اختیار حاصل کر لیتا ہے اس طرح وہ پورے جسم پر اپنی حاکمیت قائم کر لیتا ہے۔ اور جسم کا ہر عضوء

وہ عمل کرتا ہے دماغ جو اسے حکم دیتا ہے

دماغ کا بایاں حصہ آزاد خودمختار اور طاقت ور ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس دماغ کا دایاں حصہ کمزور اور دل کے اختیار میں ہوتا ہے۔

دل جسم میں واحد ایک ایسا حصہ ہے جو دماغ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اگر تو وہ اپنی اصل حالت میں ہوگا تو دماغ کے دائیں حصے کے ذریعے پورے جسم پر حکمرانی کرے گا۔

دل میں جذبات واحساسات ہوتے ہیں اسی لیے تقویٰ بھی دل میں ہوتا ہے۔ دماغ کا دائیاں حصے جو بھی عمل کرتا ہے وہ سب سے پہلے دل کو آگاہ کرتا ہے اگر دل اس کی اجازت دے تو دماغ جسم کے متعلقہ حصے کو اس کام کا حکم دے گا ورنہ نہیں۔ اب یہ سلسلہ تب تک برقرار رہتا ہے جب تک دل اپنی اصل حالت میں رہے گا۔ یعنی دل میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے حاص قسم کی ایک متوازن صلاحیت رکھی ہوئی ہے جب تک وہ برقرار رہے گی تب تک دل کو یہ اختیار حاصل رہے گا ورنہ اگر دل کا وہ توازن بگڑ گیا یا اس میں وہ صلاحیت کم ہوگئی تو اس کے مطابق جسم پر اثرات مرتب ہوں گے۔ دماغ کا بایاں حصہ دائیں حصے پر قدرت پا کر پورے جسم پر حاکمیت حاصل کرلے گا۔ اور وہ صرف منفی سرگرمیوں کی طرف لے کر جائے گا۔

دل میں اللہ نے جو صلاحیت رکھی اس کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ سبحان وتعالی نے خوراک میں وہ اجزاء رکھ دیئے ہیں جو اس توازن کو برقرار رکھیں۔ جس سے بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔ ایک تو پورا جسم ہر وقت اللہ کی غلامی میں رہے گا اور دوسرا یہ کہ جو پہلی حثیت رکھتا ہے انسان کا اللہ کے ساتھ ایسے تعلق قائم رہے گا جیسے آپ فون یا انٹرنیٹ کے ذریعے دور کسی کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہیں۔ جو صلاحیت فون یا کمپیوٹر میں ہوتی ہے وہ صلاحیت دل میں ہوگی کہ وہ اللہ کی طرف سے پیغام کو موصول اور ڈی کوڈ کر کے اس میں موجود پیغام کو پہچان لے۔

اگر آپ ایسی خوراک استعمال کریں گے جو حلال اور طیب نہ ہو۔ یعنی خوراک صرف اور صرف وہ ہونی چاہیے جس کے استعمال کی اللہ نے اجازت دی اور پھر وہ طیب ہونی چاہیے مطلب کہ سو فیصد قدرتی اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہ کی گئی ہو۔ جیسے آج مصنوعی خوراکیں ہیں یا پھر مرغی اللہ نے حلال کی ہمارے لیے یعنی ہمیں مرغی کھانے کی اجازت دی لیکن ایک شرط پر اگر وہ طیب مطلب کہ اس حالت میں ہو جیسی اللہ نے خلق کی اور اسی طرح پروان چڑھی ہو جیسے اللہ نے اسے پروان چڑھایا اس کی خوراک، جگہ اور آب وہوا سب قدرتی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو ایسی مرغی حلال نہیں بلکہ حرام ہوجائے گی اور اللہ سبحان وتعالیٰ ذمہ داروں کو اس کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

ہر انسان بیک وقت تین دنیاؤں میں رہتا ہے ایک سوچوں کی دنیا، دوسری احساسات کی دنیا اور تیسری جذبات کی دنیا۔ جب یہ تینوں دنیائیں ایک نقطے پر منجمد ہوجائیں یعنی کہ انسان کی سوچ، احساس اور جذبات مشرکہ نقطے پر ہوں تو انسان ہر لحاظ سے کامیاب اور پرسکون رہتا اور غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہوجاتا ہے۔ اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک یا تینوں مختلف زاویوں میں ہوں تو انسان بے چینی،

انتشار، اضطراب و بے سکونی کی سی کیفیت میں رہتا ہے ایسے انسان کا ارادہ مضبوط نہیں ہوتا وہ جو کرنا چاہتا ہے اس میں اسے زیادہ تر ناکامی کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور جب یہ تینوں ایک ہی نقطے پر آجائیں تو تینوں ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک قوت بن جاتے ہیں پھر ایسا انسان جو بھی کرنا چاہے اس کے لیے ناممکن نہیں ہوتا وہ اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ پھر انسان عام انسان نہیں رہتا وہ، وہ کچھ دیکھتا ہے جو عام انسان نہیں دیکھتا اس کی سوچیں عام انسان سے مختلف ہوتی ہیں اس کے احساسات، جذبات سب کچھ غیر معمولی ہوتا ہے۔ مثلاً جب سوچ، احساسات اور جذبات ایک نقطے پر آجائیں تو یہ ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک قوت بن جاتے ہیں پھر جب انسان کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ارادے کے پیچھے یہ تینوں دنیائیں ایک نقطے پر اپنا اپنا کام کرتی ہیں تو ارادہ وجود میں آتا ہے پھر جب انسان عمل کرتا ہے تو یہ تینوں دنیائیں اسی عمل پر مرکوز ہوتی ہیں۔ یعنی جیسے ٹیم ورک ہوتا ہے بلکل یہی صورت بن جاتی ہے اور اسی کو عربی میں حضوع کہا جاتا ہے۔ جب یہ تینوں دنیائیں آپس میں ضم ہو کر ایک قوت بنتی ہیں تو پھر انسان جب بھی کوئی عمل کرتا ہے تو وہ ہر طرف سے کٹ کر خالص اسی عمل کا ہو جاتا ہے۔ جسے قرآن میں حنیف کہا گیا ہے۔ یہی صلاۃ میں درکار ہوتا ہے کہ جب اللہ سبحان وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو تو ہر طرف سے کٹ کر اسی کی طرف رخ کر لینا ہے پھر انسان کے جسم کا ہر اعضاء ایک ہی نقطے پر ہوتا ہے۔ اس کی سوچ، فکر، احساسات، جذبات سب ایک ہی نقطے پر جب ایسا ہو تو انسان مقصود کو پالیتا ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب انسان کی فریکوینسی فطرت پر آجائے۔ ان تینوں کو ایک ہی نقطے پر لانے کے کے ہمیں اپنی فریکوینسی کو فطرت پر لانا ہو گا اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا۔

اس کے لیے ہمیں دل کو سمجھنا پڑے گا۔ کیونکہ جب یہ تینوں دنیائیں آپس میں مل کر ضم ہوتی ہیں تو دل حاکم بن جاتا ہے۔ اور اگر دل مردہ ہو چکا ہو تو پھر ایسا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اور دماغ حاکم بن جاتا ہے جس سے کشمکش کی صورت بن جاتی ہے۔

دل میں جذبات ہوتے ہیں۔ دل میں تکبر، انا اور غرور وغیرہ نہیں ہوتا یہ سب حالات وواقعات کے اثر انداز ہونے سے دماغ کی پیداوار ہیں۔ دل کی اپنی کوئی بھی سوچیں نہیں ہوتی نہ ہی دل کو کسی فیصلے کا اختیار حاصل ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل کی ایک خاص حالت ہوتی ہے اگر دل اس حالت میں ہو تو دل ایک ایسی طاقت کے ساتھ جڑ جاتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے خالق کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ اپنے ٹی وی چینل کی جو بھی فریکوئنسی آن کریں گے اس فریکوئنسی پر جو چینل نشریات کر رہا ہو گا وہی نشریات آپ کے ٹی وی پر ظاہر ہوں گی۔ بلکل اسی طرح یہ سمجھ لیجئے کہ دو چینل اپنی اپنی نشریات کر رہے ہیں ہمارا دل ٹی وی ہے، ہم ان دونوں میں سے جس چینل کی فریکوینسی آن کریں گے ہمارے دل یعنی ٹی وی پر اسی کی نشریات ظاہر ہوں گی۔

انسان کا دل جسم میں واحد ایسا عضوء ہے جو ایک خاص قسم کی شعاعیں خارج کرتا ہے ان شعاعوں میں ایک خاص قسم کی قوت ہوتی ہے جسے انگلش میں الیکٹرو میگنیٹک فیلڈ کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی شعاعیں جن میں ایک تو کشش ہوتی ہے اور دوسرا ان سے پیغام رسانی بھی ہوتی ہے۔

اگر آپ مقناطیس کے دو ٹکڑے لیں تو ان کو ایک دوسرے کے بلکل قریب کر کے چھوڑ دیں تو وہ دونوں آپس میں چپک جائیں گے۔ اس کی

وجہ یہ بنی کے ان میں مقناطیسی کشش تھی جس کی وجہ سے دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لیا۔لیکن اب اگر آپ دونوں ٹکڑوں کو الگ الگ کر کے ایک ٹکڑے کا رخ تبدیل کر دیں یعنی جو حصہ چپکا تھا اس کی مخالف سمت اس طرف کر لیں اور اب آپ دونوں کو قریب کریں گے تو دونوں چپکنے کی بجائے ایک دوسرے کو دور دھکیلیں گے۔اس کی کیا وجہ بنی؟

مقناطیسی کشش والا
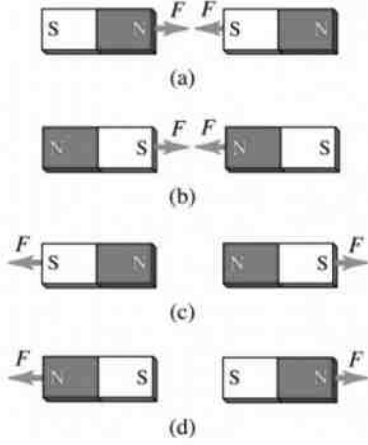
بغیر مقناطیسی کشش

اپنی طرف کھینچنے والی اور مخالف سمت دھکیلنے والی اطراف کی نشاندہی
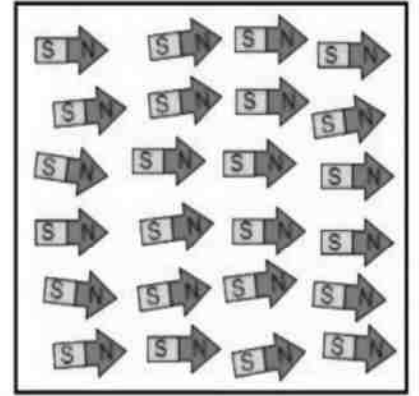
دائیں تصویر میں آپ دیکھ رہے ہیں کچھ تیر کے نشان بنے ہوئے ہیں جن ایک طرف سرخ اور دوسری طرف سبز رنگ ہے۔ایس جس کا مطلب ساوتھ یعنی جنوب اور دوسری طرف این مطلب نارتھ یعنی شمال لکھا ہے۔ یہ مقناطیس کی مقناطیسی کشش واضع کی گئی ہے۔ کہ مقناطیسی کشش جنوب سے شمال کے طرف سفر کرتی ہے۔ اگر مقناطیس کے دو ٹکڑوں کو شمال والی اطراف سے قریب کریں گے تو دونوں ایک دوسرے کو دور دھکیلیں گے اسی طرح اگر دونوں کی جنوب والی اطراف بھی ایک دوسرے کو دور دھکیل دیں گی لیکن اگر شمال اور جنوب والی اطراف کو آمنے سامنے کیا جائے گا تو دونوں چپک جائیں گے اور اسی طرح جنوب اور شمال والی طرف کو آمنے سامنے کیا جائے گا تو ایک دوسرے کو قریب کھینچ کر چپک جائیں گے۔آپ بائیں تصویر سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

درمیان والی تصویر میں مقناطیسی ذرات کے رخ درہم برہم نظر آرہے ہیں ایسے ذرات سے جو ٹکڑا وجود میں آئے گا اس میں مقناطیسی کشش نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہر ایک کا رخ ایک دوسرے کے متصادم ہے جو انتشار پیدا ہونے سے ہوا۔اس کو اگر ہم نے غور سے سمجھ لیا تو آگے سمجھنے میں بہت زیادہ آسانی ہو جائے گی۔

جب انسان حلال طیب غذا کھاتا ہے تو اس کے دل سے خارج ہونے والی الیکٹرو میگنیٹک فیلڈ دائیں جانب تصویر کی طرح ہوگی۔ پھر ایسی مقناطیسی کشش اللہ سبحان وتعالی کی طرف سے پھیلائی ہوئی مقناطیسی قوت سے چپکے گی کیونکہ دل کو جس فریکوینسی پر لانا مقصود تھا وہ اس فریکوینسی پر آجائے گا اور نتیجتاً اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہوگا۔ پھر دل دماغ کے دائیں حصے پر قابض ہو کر دماغ کے بائیں حصے

سمیت پورے جسم پر حکمرانی کرے گا۔ دل کو ہدایات اس کے خالق اللہ سبحان وتعالیٰ سے مل رہی ہوں گی۔ دل دماغ کو صرف وہی کرنے کی اجازت دے گا جس کی اجازت اللہ سبحان وتعالیٰ دیں گے۔ لیکن اگر دل کی حالت ایسی نہ ہوئی تو پھر درمیان والی تصویر کی طرح ہوگی۔ پھر دل سے جو شاعیں خارج ہو رہی ہوں گی ان میں وہ کشش نہیں ہوگی جو اس قوت کے ساتھ چپکنے کی صلاحیت رکھتی ہے جو اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور دل کی ایسی حالت تب ہوتی ہے جب انسان حلال طیب کی بجائے غیر طیب یعنی خبائث کو اختیار کرے۔

خوراک کے لیے پیچھے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں صرف میں سے کھانا پینا نہیں بلکہ جو بھی ہم دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، زبان سے بولتے ہیں اور وہ بھی جسے ہم چھوتے ہیں، اور جن ذرائع یعنی سورج اور آگ یا مصنوعی بلب وغیرہ سے جسم جو حرارت حاصل کرتا ہے یہ سب جسم پر اثر انداز ہوتا ہے سب کچھ طیب ہونا چاہیے۔ جب ایک بار انسان کوشش کر کے اپنی فریکوینسی کو فطرت پر لے آئے تو پھر اسے برقرار رکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت انسان پر مٹی کی بجائے روح کی صفات غالب آ جاتی ہیں۔

اب اس سارے معاملے کو اگر مزید آسانی سے سمجھنا ہے تو وہ اس طرح کہ انسان مجموعی طور پر مادے اور روح کا مرکب ہے۔ مادے سے اس کا جسم بنا اور روح سے اس میں جان اور اس کے علاوہ روح کی اپنی صفات ہیں۔ ہمیں مٹی یعنی مادے کی صفات کو مغلوب کرنا ہے اگر مادے کی صفات مغلوب ہو جائیں گی تو خود بخود روح کی صفات جسم پر غالب آ جائیں گی۔ اور روح کا معاملہ بلکل ایسے ہی ہے جیسے پیچھے جو ٹی وی اسٹیشن یا ریڈیو والی مثالیں بیان کی جا چکی ہیں۔ کہ ریڈیو اسٹیشن ایک مقام سے اپنی نشریات کر رہا ہوتا ہے جو ایک مخصوص فریکوینسی پر ہوتی ہیں۔ اب پورے ملک میں جو جو ریڈیو اس فریکوینسی پر ہو گا وہ تمام ریڈیو صرف اور صرف وہی نشریات ہی سنائیں گے خواہ وہ سب ریڈیو ایک جگہ پر پڑے ہوں یا ملک کے مختلف شہروں میں۔ روح کے بارے میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے قلیل علم دیا اور جن کو دیا وہ بھی قلیل ہی انسان ہیں۔ الحمد للہ اسی علم کی بنیاد پر ہم اس پر بات کر رہے ہیں۔ ہمیں خود کو اس فریکوینسی پر لانا ہے جس فریکوینسی پر ہمارے جسم میں روح کی صفات ایکٹیویٹ یعنی متحرک ہو جائیں پھر جسم کے تمام اعضاء وہی کریں گے جو روح کے ذریعے اسے حکم ملے گا۔ اس کے لیے جو سب سے پہلی شرط ہے وہ یہ کہ مٹی کی صفات کو مغلوب کرنا ہے یعنی یوں سمجھ لیجئے کہ مٹی سے بنا جسم موجود تو ہو لیکن بلکل ایک بت کی سی حثیت میں باقی رہ جائے۔ اس میں صرف مٹی کے تقاضے رہ جائیں مٹی کی تمام صفات ختم ہو جائیں تب ہی روح کی صفات ایکٹیویٹ یعنی متحرک ہوں گی۔ روح کو متحرک کرنے اور متحرک رکھنے کے لیے اور جسم پر روح کی صفات کو غالب رکھنے کے لیے مراقبے کے ضرورت ہوگی یعنی مراقبے کی سب سے احسن صورت صلاۃ کا جزوی رکن رکوع و سجود۔ جس سے جسم پر روح کی صفات غالب آئیں گی۔ پھر انسان وہ پسند کرے گا جو اللہ سبحان وتعالیٰ پسند کرتے ہیں، اسی سے نفرت و دشمنی کرے گا جس سے اللہ نفرت و دشمنی کرتا ہے حتیٰ کہ انسان اللہ سبحان وتعالیٰ کے رنگ میں رنگ جائے گا۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۫ وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ۔ البقرۃ ۱۳۸

اور اللہ کا رنگ اور کون ہے جس کا رنگ اللہ کے رنگ سے احسن ہو، اور ہم تو اسی کی غلامی کرنے والے ہیں

بجلی اور مقناطیس کے ایک خاص طرح کے عمل سے الیکٹرو میگنیٹک فورس وضع ہوتی ہے۔ یعنی یہ قوت پہلے ہی موجود ہوتی ہے لیکن اپنی اس حالت میں نہیں ہوتی بجلی اور مقناطیس کے ملاپ سے اس میں حرکت پیدا ہو کر لہریں وضع ہوتی ہیں۔
جیسے ریڈیو لہروں کی مختلف فریکوئنسی پر مختلف چینلز نشریات کر رہے ہوتے ہیں جس چینل کی فریکوئنسی اپنے چینل پر ٹیون کریں گے اس چینل کی نشریات ٹی وی پر ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی اسی طرح دنیا میں مختلف فریکوئنسیز موجود ہیں جن میں سے ایک فطرت کی فریکوئنسی ہے جو بھی انسان اس فریکوئنسی پر ٹیون ہو گا اس کا تعلق خالق سے قائم ہو جائے گا پھر اس کی پسند، ناپسند سمیت سب کچھ خالق کی مرضی میں ضم ہو جائے گا۔ یعنی وہ اللہ کا رنگ اختیار کر چکا ہو گا۔ اور اگر فریکوئنسی فطرت پر نہیں ہو گی تو خالق سے تعلق قائم ہونے کی بجائے اس کا جسم جس فریکوئنسی پر ہو گا اس فریکوینسی پر جو بھی موجود ہو گا اسی سے تعلق قائم ہو گا۔ اسی طرح انسانوں کو غلام بنانے کے تجربات کیے جا رہے ہیں اور بہت حد تک کامیابی بھی حاصل کی جا چکی ہے اور باقاعدہ اس پر اب عمل بھی جاری ہے جسے حارپ کا نام دیا گیا ہے۔ حارپ کے بارے میں تفصیل سے آپ ہماری کتاب ''دجال، فتنہ دجال، یاجوج اور ماجوج'' میں پڑھ سکتے ہیں۔

انسانی جسم میں راڈار اور سینسرز۔

ناک کے اندر بال راڈار کا کام کرتے ہیں بالوں میں سینسرز نصب ہوتے ہیں جیسے ہی انسان سانس لیتا ہے اور اس سانس کے ذریعے جتنے بھی بیکٹیریا جسم میں داخل ہوتے ہیں ناک کے بالوں میں موجود سینسرز ان کا پتا لگا لیتے ہیں اور فوری طور پر تمام معلومات دماغ کو بھیجتا ہے۔ کہ اس وقت اتنی مقدار میں فلاں فلاں یہاں سے گذرا۔ دماغ ان نقصان دہ بیکٹیریا کے خلاف جسم کے ہر متعلقہ خلیوں کو فوری طور پر معلومات فراہم کرتا ہے خلیے فوری طور پر ایسی فوجیں تیار کرتے ہیں جو ان بیکٹیریا کو قتل کرنے کے لیے صفیں باندھ لیتے ہیں۔ جیسے ہی بیکٹیریا وہاں پہنچتے ہیں تو فوری ان کو قتل کر دیا جاتا ہے یہ سارا عمل ناقابل یقین حد تک غیر معمولی کم وقت کے اندر اندر انجام پاتا ہے۔
اسی طرح چہرے پر داڑھی اور جسم کے تمام حصوں پر موجود بال بھی یہی کام سرانجام دیتے ہیں۔ چہرے پر داڑی کی صورت میں بالوں پر ایسی مخلوقات کی افزائش ہوتی ہے جو ان نقصان دہ بیکٹیریاز کو ختم کرتے ہیں جو باہر سے ہمارے چہرے یا جلد پر آتے ہیں۔ اگر ان کو ختم نہ کیا جائے تو جلد کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں کیونکہ ایک بیکٹیریا دو میں دو، چار، چار، آٹھ میں اسی طرح دیکھتے ہیں دیکھتے تقسیم ہو کر جسم کے اس حصے میں پھیل جاتے ہیں جس سے دانے اور جلد وغیرہ کے باقی امراض وغیرہ لاحق ہوتے ہیں۔ بلکل یہی عمل انسان کے جسم کے اندورنی حصوں میں بھی ہوتا ہے۔ بیکٹیریا باہر سے سانس یا خوراک کے ذریعے ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی نشاندہی کے لیے منہ کے اندر ایسی مخلوقات ہوتی ہیں جو راڈار کا کام کرتی ہیں جیسے ہی خوراک منہ میں داخل ہوتی ہے وہ مخلوقات خوراک میں موجود بیکٹیریا کا پتہ لگا کر انہیں ختم کرتی ہیں اس کے علاوہ جو بیکٹیریا خوراک میں رہ جاتے ہیں انہیں جسم میں موجود ان کی مخالف قوتین جنہیں مدافعتی نظام کہا جاتا ہے ختم کرتا ہے۔ منہ میں موجود یہ مخلوقات بہت نازک ہوتی ہیں جسم کے درجہ حرارت سے کچھ زیادہ درجہ حرارت ملنے کی صورت میں ان کی موت ہو جاتی ہے۔ جس سے خوراک میں موجود بیکٹیریا جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور جسم میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں یعنی بیماریاں پیدا ہوتی ہے۔ اکثر اوقات یہ انسان کی بے احتیاطی کی وجہ سے مرتے ہیں جس کی وجہ انسان کا گرم گرم کھانے کھانا ان کی موت کا باعث بنتا ہے۔
اسی تناظر میں ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو ٹھنڈے میں برکت ہے۔۔ الحدیث

کوشش کریں ہر لحاظ سے خود کو فطرت پر قائم کریں۔ اور دنیا کو فطرت پر لانے کے لیے اللہ کے دشمنوں کے سامنے رکاوٹ بن جائیں اور انہیں ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیں یہی ان کے لیے دنیا میں اللہ کا عذاب ہوگا۔ یہ ہر ایمان لانے والے پر فرض ہے اور اگر ایمان لانے والوں نے یہ فرض ادا نہ کیا تو اس کے نقصانات آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور پھر اس کا انجام ہم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا عذاب حلال ہوگا۔ ہم دنیا میں اللہ سبحان وتعالیٰ کے غلام ہیں غلام کا کام اپنے مالک کی املاک کی حفاظت ہوتا ہے جو کوئی بھی اس کے مالک کی املاک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اس کچل دینا غلام کا کام ہوتا ہے۔ لیکن ہم کیسے اللہ کے غلام ہیں جو خود اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مل

کرا پنے مالک اللہ کی املاک کو تباہ کرر ہے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے زمین کے خزانوں کی چابیاں دیں۔ مسند احمد
وہ زمین کے خزانے کون سے ہیں یہ ہم پر واضع ہو چکا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں دیں تو کس مقصد کے لیے دیں؟
خزانوں کو چرانے کے لیے یا ان کی حفاظت کے لیے؟
اس کا جواب بہت ہی آسان ہے ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور ان کی دعوت کو دیکھ لیں۔ ہمیں واضع جواب مل جائے گا۔ اللہ کے نبی نے تو زمین کے خزانوں کی حفاظت کی لیکن ہم نے اللہ کے زمین میں خزانوں پر ڈاکے ڈالے، انہیں لوٹ رہے ہیں اور تباہی مچا رہے ہیں۔

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ. الانعام ۱۱۶

اور اگر اطاعت کرو گے اکثریت کی جو زمین میں ہیں تجھے اللہ کے رستے سے ہٹا دیں گے، نہیں پیچھے چلتے مگر ظن کے اور نہیں ہیں یہ مگر بغیر علم کے اپنی خواہشات و جہالت کی اتباع کرنے والے۔

الحمد للہ پیچھے پوری کتاب میں ہم نہیں علم کی روشنی میں مفصل انداز میں بہت کچھ سمجھا۔ اس کی روشنی میں ہمیں اب اس کا دراک ہو جانا چاہیئے کہ علم اور ظن میں کیا فرق ہے۔ کیسے لوگوں کی اکثریت کو گمراہ کیا جا رہا ہے اور گمراہ ہو رہی ہے محض اپنے ظن یعنی قیاس سے کام لیتے ہوئے نہ کہ علم کا استعمال کرتے ہیں۔
اب جب کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم پر سب کھول دیا تو ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی قیاس سے کام لینے کی بجائے صرف اور صرف علم کی روشنی میں اپنے فیصلے مرتب کریں ورنہ ہمارا انجام بھی گمراہی ہی ہوگا۔ ظن کی بہت وسیع تشریح ہے مثلاً کسی فرقے کی اتباع کرنا، اپنے آباؤاجداد، اپنے بڑوں، لیڈروں اور علماء وغیرہ کی اندھی اتباع کرنا بھی ظن میں ہی شمار ہوتا ہے۔ ہر وہ عمل ظن کی بنیاد پر کہلائے گا جس میں علم کی بنیاد پر فیصلہ نہ کیا ہو۔ اور جسے ہم نے علم کا نام دے لیا اس میں بھی فرق کرنا بہت ضروری ہے آج کل اکثریت ایسی ہے جو جہالت کو ہی علم کا نام دیتی ہے۔ اپنی خواہشات کو ہی علم کا نام دیتی ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ. الانعام ۱۱۷

اس میں کچھ شک نہیں تیرا رب ہے وہی علم رکھتا ہے جو اس کے رستے سے ہٹ گیا اور وہی علم رکھتا ہے جو رستے کی طرف رہنمائی کیے جاتے ہیں

جس پر اللہ کا نام لیا گیا کی وضاحت۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ. الانعام ۱۱۸

پس کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کے اسم کا ذکر کیا اگر تم اس کی آیات کیساتھ ایمان لانے کے بعد اسلام میں داخل ہونے والوں میں ہو۔

اللہ کے اسم کا ذکر کرنے سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ جس پر صرف اللہ کا نام لیا ہو بلکہ اس کو اگر سمجھنا ہے تو سب سے پہلے اللہ کے اسماء کو جاننا ہوگا۔ مثلاً جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ کا اسم ہے الخالق۔ جس کے معنی ہیں خلق کرنے والا۔ اب ہم پر فرض ہے کہ ہم جانیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ خلق کیسے کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ خلق کرتا ہے جو بھی شئے بلکہ اسی طرح تخلیقی مراحل سے گزر کر خلق ہوگی صرف اور صرف وہی اللہ کے اسم خالق پر پوری اترے گی۔ یعنی کہ اس پر اللہ کا سم ذکر ہوا۔

اسی طرح اللہ کا اسم الرزاق ہے۔ جس کے معنی رزق دینے والا ہیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ جانیں کہ اللہ کیسے رزق دیتا ہے۔ جب ہم جان لیں گے تو ہم پر واضع ہوگا کہ کیسے کسی شئے پر اللہ کے اسم کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بکرا اگر اسی رزق سے وجود میں آیا جو رزق اللہ نے خلق کیا تو یہی اس بکرے پر اللہ کے اسم کا ذکر کیا گیا لیکن اگر ایک بکرا یو کوئی بھی شئے جس کا رزق اللہ کا خلق کردہ نہ ہوا اور وہ خبیث رزق سے وجود میں آئے وہ حلال نہیں بلکہ حرام کہلائے گی۔

بلکہ اسی طرح اللہ کی ان سب صفات کو سامنے رکھیں ان کو جانیں پھر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس پر اللہ کے اسم کا ذکر ہوا اور کس پر نہیں۔

جو تصور آج عام کر دیا گیا ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا اللہ کے اسم کا ذکر کہلاتا ہے تو وہ بلکل غلط ہے کیونکہ آیت میں کہیں بھی ذبح کرنے کا ذکر نہیں ہے آیت میں کھانے کا ذکر ہے اور اس میں وہ سب شمار ہے جے ہم بطور رزق استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت زبان سے بھی ان الفاظ کا اقرار فرض ہے لیکن اس سے پہلے جو بھی شئے ہم کھائیں اس کے خلق ہونے سے لیکر ہمارے دستر خوان پر آنے تک وہ انہیں ذرائع سے ہو کر آئے جو اللہ کے اسماء پر پورے اترتے ہیں۔

پھر اسی طرح جب آپ جانور کو ذبح کریں تو اللہ نے جو حکم دے دیا اسی کیمطابق ذبح کیا جائے گا۔ جو بھی شئے اگائی جائے گی، پیدا کی

جائے گی اس کا ہر لحاظ سے فطرت پر ہونا ہی اللہ کے اسم کا ذکر ہونا ہے۔
اور جو ایمان لائے ان پر فرض ہے کہ وہ صرف اور صرف اسے ہی اختیار کریں تب ہی وہ اسلام میں داخل ہوں گے یعنی اللہ کے آگے سر خم تسلیم ہو پائیں گے۔ ورنہ حرام میں ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو انسان کو مومن کی بجائے کافر بنا دیتی ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ. الانعام ۱۱۹

اور کیا ہے تمہارے لیے کہ نہ کھاؤ اس سے جس پر اللہ کے اسم کا ذکر ہوا اور تحقیق کھول دیا تمہارے لیے جو حرام ہے تم پر مگر جو اضطرار کی حال میں ہو اس کی طرف۔ اور اس میں کچھ شک نہیں اکثریت رستے سے ہٹا دیتی ہے اپنی خواہشات کے ساتھ علم کے بغیر۔ اس میں کچھ شک نہیں تیرا رب ہے وہی علم رکھتا ہے جو اس نے حد لگا دی اس سے تجاوز کرنے والوں کا۔

ہم جب اپنے رزق میں غور کریں تو ہم پر واضع ہو جاتا ہے کہ ہم کیا کھا رہے ہیں۔ بلکل واضع ہو جاتا ہے کہ ہم نے تو ہر سطح پر حرام اختیار کیا ہوا ہے۔ جو بھی کھاتے ہیں اس پر اللہ کی بجائے دجال کے اسم کا ذکر ہوا ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کے کارخانوں کا خلق کردہ نہیں بلکہ دجال کے کارخانوں کا خلق کردہ مصنوعی خبیث ہے۔ جو کہ بلکل واضع حرام ہے۔ یہی تو اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں کہہ رہے ہیں کہ اور کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم نہ کھائیں جس پر اللہ کے اسم کا ذکر کیا گیا۔ ہم نے اللہ کو اس کا جواب یوں دیا کہ اے اللہ ہمارے لیے تیرے مقابلے پر دجال کا خلق کردہ جو ہے اس لیے ہم تیرا خلق کردہ کیوں کھائیں۔
اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہم پر کھول دیا کہ ہمارے اوپر کیا حرام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں پیچھے ہر لحاظ سے کھل کر وضاحت ہو چکی ہے اب کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں رہی کہ ہم اس کے باوجود حرام کو اختیار کریں۔ ہاں البتہ صرف ایک صورت میں اجازت دی ہے کہ جب تم اضطرار میں ہو۔ اضطرار کہتے ہیں کہ جب ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ اس کے بغیر رہنا یا زندگی گزارنا ناممکن ہو اور حرام کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تب حرام حلال ہو جاتا ہے بلکہ حرام تو حرام ہی رہے گا لیکن اس حالت سے نکلنے کے لیے حرام کو اختیار کرنے پر گناہ اللہ کی طرف سے باز پرس نہیں ہو گی۔ اب اضطرار کی حالت کس کے لیے کیا ہوتی ہے وہ صرف اور صرف ہر انسان خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے نہ کہ کوئی دوسرا کسی کے لیے طے کرے۔ اور ایسی حالت میں بھی اسی حرام کو اختیار کیا جائے گا جس میں کم سے کم خباثت ہو۔

اور اکثریت ایسی ہے کہ جو گمراہ کرتی اور ہوتی ہے بغیر علم کے اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرتی ہے۔اور ایسے لوگ ہی اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔کیونکہ حرام اور حلال کا اختیار صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے اس کے علاوہ اور کوئی بھی اس کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔لیکن آج ہم اپنے اردگرد دیکھیں کہ کس طرح اللہ کی حدود سے تجاوز کیا جارہا ہے۔

ان نام نہاد ملاؤں سے جب سوال کیا جائے کہ کیا کوکا کولا اور پیپسی وغیرہ حلال ہے تو بانگ دہل ڈنکے کی چوٹ طنزیہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ ہاں اگر آپ کو ذیابطیس یعنی شوگر نہیں تو حلال ہے۔اور خود بھی دن رات اپنے دسترخوانوں کو اللہ کی حرام کردہ سے مزین کر کے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔صرف اور صرف اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں جہالت کو علم کا نام دیتے ہیں اور علم سے بلکل عاری ہیں بلکہ الٹا علم کے دشمن ہیں۔علم کو سائنس کا نام دے کر اسے حرام قرار دیتے ہیں بلکل یہی یہود و نصاریٰ نے کیا۔تا کہ ان مقام و مرتبے ان سے نہ چھن جائیں۔ان کے قبے و جبے اور عام اہل ایمان میں فرق ختم نہ ہو جائے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ. الانعام ۱۲۰

اور چھوڑ دو وہ گناہ جو ظاہر ہیں اور جو چھپا ہے، اس میں کچھ شک نہیں ایسے جو کرتوت کرتے ہیں گناہوں والے جلد ہی بدلہ پائیں گے اس کا جو وہ کرتے تھے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. الانعام ۱۲۱

اور نہ کھاؤ اس سے نہیں ذکر کیا جس پر اللہ کے اسم کا اور اس میں کچھ شک نہیں وہ فسق کے لیے۔اور اس میں کچھ شک نہیں شیاطین وحی کرتے ہیں اپنے اولیاء کی طرف تم سے جھگڑنے کے لیے، اور اگر تم نے بھی ان کی اطاعت کی تو اس میں کچھ شک نہیں تم بھی مشرک ہو گے۔

آیت کے پہلے حصے کی وضاحت تو پچھلی آیات میں گزر چکی آگے اللہ سبحان وتعالیٰ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں وہ فسق کے لیے۔یعنی یہ انسان میں فسق پیدا کرتا ہے۔یعنی انسان میں ایسی جرات پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے احکامات یا اللہ کے کسی بھی امر میں ملاوٹ کردے۔ مثال کے طور پر آپ کے پاس کوئی خبر پہنچے تو آپ اس کو آگے پہنچانے سے پہلے اس میں کوئی ردوبدل کردیں جیسے کہ عرف عام میں بات کو

گھما پھرا دینا کہلاتا ہے۔اسی طرح جیسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی محمد ﷺ کے ذریعے عملی طور پر دیکھا دیا کہ دین کیسے قائم کرنا ہے لیکن آج نام نہاد مسلمانوں جو کہ مشرکین ہیں کی اکثریت ایسی ہے جو کہتی ہے کہ دین اس طرح نہیں بلکہ جمہوریت،صرف دعوت یا ان کے علاوہ اور طریقوں سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے اور اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں یہ ہے فسق اور ایسا کرنے والا فاسق۔اور فاسق ہی ایسے ہوتے ہیں جو حزب الشیاطین میں داخل ہو جاتے ہیں۔اسی سے اللہ نے خبر دار کیا ہے۔

کہ جب تم کسی کو دعوت دو گے کہو گے کہ یہ سب حلال نہیں بلکہ حرام ہے تو شیاطین اپنے اولیا مددگاروں،اپنے حمائیتیوں کی طرف وحی کرتے ہیں کہ یہ کیسے حرام ہوسکتا ہے یعنی جو بھی ان کے دماغوں میں خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے کہ یہ سب حرام ہے اس لیے کہ اس سے ان کی خواہشات کا جنازہ نکلتا ہے۔تم سے پھر جھگڑتے ہیں یعنی مباحثے کرتے ہیں کہ یہ کیسے حرام ہوسکتا ہے۔طرح طرح کے بے ہودہ جہالت پرمبنی دلائل دیتے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کے بے ہودہ دلائل سے متاثر ہو کر ان کی بات مان لو اور حرام کو اختیار کر لو جب کہ تم پر واضح ہو چکا ہے اگر ایسا ہوا تو تم بھی انہی کی طرح مشرک ہو گے۔

ان آیات کی وضاحت تو بہت وسعت رکھتی ہے لیکن چونکہ ہم نے اپنے موضع کا احاطہ کرنا تھا اس لیے کوشش کی کہ صرف اتنے پر ہی اکتفاء کیا جائے جس سے ہمیں مقصود کی سمجھ آ جائے۔الحمدللہ۔

آج سائنس بھی اپنی تحقیقات کی بنیاد پر یہ کہنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ What we are What we eat''یعنی ہم وہ ہیں جو ہم کھاتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھوڑی سی ریا کاری بھی شرک ہے اور اس میں کچھ شک نہیں جو دشمنی رکھے اللہ کے ولی سے پس یقیناً اللہ اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔اس میں کچھ شک نہیں اللہ حب کرتا ہے تقویٰ والے گمنام سے۔ایسے لوگ جب غائب ہوتے ہیں تو انہیں تلاش نہیں کیا جاتا اور اگر سامنے ہوں تو انہیں بلایا نہیں جاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے۔دل ہیں ان کے ہدایت کے چراغ۔نکل جاتے ہیں تمام اندھیروں کے غبار سے۔(سنن ابن ماجہ)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ . الانفال ٢٠

اے وہ جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ پھر جاؤ اس سے اور تم نے سن لیا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ. الانفال ۲۱

اور نہ ہو جاؤ ان کی طرح جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور وہ نہیں سنتے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ . الانفال ۲۲

اس میں کچھ شک نہیں بدترین دواب اللہ کے نزدیک بہرے گونگے جو عقل نہیں رکھتے۔

خیر کی طرف دعوت۔

آخر میں میری طرف سے تمام اہل ایمان کو دعوت ہے کہ آؤ اور رسول اللہ ﷺ کی امانت خلافت کے گرد اکٹھے ہو جاؤ اس میں خیانت کے مرتکب نہ بنو۔ جان لو دنیا دو خیموں میں تقسیم ہونے کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ جیسے ہی یہ مرحلہ اختتام کو پہنچے گا تیسری عالمی جنگ کی صورت میں ایک عظیم تباہی بپا ہوگی اس میں پوری دنیا کے مشرک، کافر و منافق سب اللہ کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ اور تیسری عالمی جنگ بھی اپنے آخری مرحلے ایٹمی و جدید ترین ہتھیاروں کے استعمال کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ایمان شام میں ہے اور دنیا میں صرف اللہ اہل شام کی ہی حفاظت کریں گے اور وہی اللہ کے محبوب ہوں گے۔ جو دجال کی جنت کو چھوڑ کر اس کی جہنم میں کود یں گے۔ جو کہ آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے شام دجال کی جہنم کا منظر پیش کر رہا ہے لیکن یہ زیادہ دیر نہیں عنقریب اس کی جنت، جہنم اور جہنم، جنت میں تبدیل ہونے ہی والی ہے۔ سو جلدی کرو اپنے رب کی طرف پلٹو۔ دیکھو کہیں دجالی کی غلامی میں اس کو رب تسلیم کیے ہوئے موت نہ آ جائے۔ اس لیے وقت کی نزاکت کو سمجھو اور فتنہ دجال سے پناہ گاہ شام میں خلافت کا رخ کرو۔ اقوام عالم کا شام میں جنگ کے لیے جمع ہونا ہی تورات، انجیل اور احادیث میں مہدی و عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور اور آخری عالمی جنگ کی نشانی ہے۔

ابن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے کہا اے ابن حوالہ جب دیکھو خلافت کو اترتا ارض مقدس۔ پس تحقیق تب ہوں گے زلزلے اور آزمائشیں اور بڑے بڑے امور ہوں گیا ور ساعت اس دن قریب ہوگی لوگوں کے جیسے یہ میرا ہاتھ تیرے سر کے قریب ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، الحاکم)

ارض مقدسہ سرزمین شام کہلاتی ہے۔ اور جن الفاظ کا بڑے بڑے امور ترجمہ کیا اس کا عربی متن ''امور العظام'' ہے عظام کا ''ع ظ م'' ہے

جس کے معنی ہڈی کے ہیں۔جیسے ہڈی کو جسم سے نکال دیا جائے تو جسم کی کوئی اہمیت وحثیت نہیں رہتی بلکل اسی طرح ایسے امور ہوں گے اگر انہیں نکال دیا جائے تو پیچھے امور کی کوئی حثیت ہی نہیں رہتی یعنی اتنے غیر معمولی تباہ کن معاملات پیش آئیں گے بنیادی طور پر یہ تیسری عالمی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔